سیرت رسول ﷺ سے راہنمائی

سیرت کے ہر واقعے کے اندر راہنمائی موجود ہے۔ کچھ نہیں تو آنکھوں کے لیے نمی، دلوں کے لیے گداز اور قلوب کے لیے خوف وخشیت کی کیفیت موجود ہے۔ اگر ان تمام واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ جوڑ لیں کہ ایک واقعہ پیش آیا، پھر دوسرا پیش آیا، صبح کو یہ ہوا، پھر دوپہر کو یہ اور شام کو یہ ہوا، پھر لوگوں نے کانٹے بچھا دیے، پھر لوگ پتھر برسانے اور گالیاں دینے لگے، پھر لوگوں نے حالت نماز میں اوجھ رکھ دی، پھر لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا۔ یہ تمام واقعات ترتیب کے ساتھ جمع کر لیں تو جوڑتے جوڑتے لگے گا کہ واقعی یہ تو پہلے دن سے کسی منزل کا تعین کر کے کسی انقلاب کی طرف راہنمائی ہو رہی ہے، اور لوگوں کو ایک بڑے مقصد کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ یہ اتفاقی اور حادثاتی طور پر رونما ہونے والے واقعات نہیں ہیں۔ سیرت کے تمام واقعات ایک مقصد کی طرف لے جاتے ہیں، منزل کا شعور دیتے ہیں۔

۸۔لعنت کرنا:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لا يكون اللعانون شفعاء ولا شهداء يوم القيامة .)) (ابوداود، رقم الحديث: ٤٩٠٧)

''لعنت کرنے والے کے لیے قیامت کے دن سفارشی اور گواہ نہیں ہوں گے۔''

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لعن المؤمن كقتله .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٦٥٣)

''مومن کو لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

۹۔جمعۃ المبارک کی نماز کو چھوڑنا:

حضرت ابوجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع الله على قلبه .))

(ابوداود، رقم الحديث: ١٠٥٢)

''جو شخص (بغیر عذر) سستی کرتے ہوئے لگاتار تین جمعہ چھوڑ دے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔''

۱۰۔مسلمان بھائی سے قطع کلامی کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا يحل للمؤمن أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٥٦١)

''کسی مومن کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تک باتیں قطع کر کے رکھیں۔''

حضرت ابوفراش السلمی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من هجر أخاه سنة فهو كسفك دمه .)) (ابوداود، رقم الحديث: ٤٩١٥، مسند أحمد: ٤/ ٢٢٠)

''جو شخص مسلمان بھائی سے ایک سال تک بات نہ کرے تو گویا کہ اس نے خون بہایا ہے (قتل کرنے کے مترادف ہے۔)''

(عبدالرحیم بلتستانی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

17 ربیع الاوّل 1433ھ جمعة المبارک 10 تا 16 فروری 2012ء

شمارہ 06 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

جنون

ملک عصمت اللہ

کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس دن اخبارات اہل اقتدار اور ان کے حواریوں کی کرپشن کی شہ سرخیوں سے نہ بھرے ہوں۔ اگر کرپشن کی تمام انواع واقسام......رشوت، خیانت، بددیانتی، اختیارات کا ناجائز استعمال، لوٹ مار اور کمیشن خوری......کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ان کی تہ میں دیگر بہت سے اسباب کے علاوہ بنیادی اسباب ایمان کی کمی اور حرص نظر آتے ہیں۔ حرص اگر حد سے گزر جائے تو ہوس میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی ہوس بعد میں اس جنون میں بدل جاتی ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں ''تکاثر'' کا نام دیا گیا ہے۔

''تکاثر'' کا یہ مہلک مرض ہمیں انفرادی اور قومی طور پر لاحق ہے جس نے ہمارے پورے ملکی نظام کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں قومی سیاست، ثقافت، معیشت، معاشرت، حکومت بلکہ ہر چیز زوال پذیر ہے۔ اور قوم ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کی بجائے الٹا تنزلی کی راہ پر بگٹٹ دوڑ رہی ہے۔

رشوت ہی کو لیجیے، یہ میرٹ کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ چند ٹکوں کے عوض قابل اور اہل افراد کو ان کے حق سے محروم کر کے نالائق اور نااہل لوگوں کو ملازمتوں اور عہدوں پر فائز کر دیا جائے تو اس سے ایک طرف محروم افراد کے اندر بغاوت وانتقام کا جذبہ ابھرتا ہے تو دوسری طرف نااہل لوگ عہدوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔ جب ہر شاخ پر اُلو بیٹھا ہوگا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انجام گلستان کیا ہوگا؟ ایسے افراد کے پیش نظر اوّلین کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دی ہوئی رشوت نہ صرف یہ کہ واپس لے لیں بلکہ وہ خود بھی رشوت لے کر اپنے لیے مال ودولت جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور یوں رشوت کے لین دین کا لامتناہی سلسلہ چل نکلتا ہے۔ ملک وقوم ذلت اور تباہی کے گڑھے میں جا گرتی ہیں اور یہ سب کچھ اپنا ہی کیا دھرا ہوتا ہے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے: ﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس﴾

ہماری قومی سیاست کا المیہ بھی یہی ہے کہ اختیارات پر قبضہ کرنے کے لیے جعلی ڈگریوں اور دولت کے ناجائز استعمال کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اسمبلیوں میں پہنچ کر اختیارات کو دولت کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ یہیں سے مافیے جنم لیتے ہیں۔ کوئی شوگر مافیا ہوتا ہے تو کوئی لینڈ مافیا، کوئی پولٹری مافیا بنتا ہے تو کوئی ڈرگ مافیا، کوئی ٹیکس چور ہوتا ہے تو کوئی ذخیرہ اندوز۔ یہ سب مافیے مل کر عوام کا خون چوستے ہیں اور عوام کی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ چونکہ حکومت ان لوگوں کے سہارے چل رہی ہوتی ہے، اس لیے حکومت ان کے سیاہ کارناموں اور کرتوتوں کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور یوں عوام کا کوئی پرسانِ حال نہیں رہتا۔ حالیہ ڈینگی بخار اور دل کے امراض کی ناقص ادویہ کی خرید انھی مجبوریوں کا شاخسانہ ہے یا اختیارات کے ناجائز استعمال اور کمیشن خوری کا۔

ہماری ثقافت کی نمائندگی ہمارا میڈیا کرتا ہے جو عریانی، فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دے کر زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی ہوس میں مبتلا ہے۔ انھیں بس دولت کمانے سے غرض ہے۔ رہی قومی ثقافت تو وہ بھاڑ میں جائے، اس کی انھیں پرواہ نہیں۔ باقی رہ گئی معاشرت تو اس کا بیڑہ غرق کرنے میں بھی اسی نامسعود جذبے کا دخل ہے۔ جب قوم کا ہر فرد زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتا ہے تو یقیناً وہ اپنے حق سے تجاوز کر کے دوسروں کے حق پر ہاتھ ڈالتا ہے جس سے دشمنی اور انتقام کے جذبات جنم لیتے ہیں، اور جذبات کا یہ طوفان باہمی روابط اور تعلقات کو خس

وخاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے۔اور معاشرہ بودی دیوار بن کر رہ جاتا ہے جس کی حیثیت مرغ بادنما سے زیادہ نہیں رہتی جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ اپنی سمت اور رخ بدلتا رہتا ہے، ایسے معاشرے کا اپنا کوئی نظریہ ہوتا ہے نہ اپنی قومی حکمت عملی، بس دوسروں کے رحم وکرم اوران کے ابروئے چشم کے اشارے کا منتظر رہتا ہے۔جدھر کوئی اشارہ کردے اس طرف چل نکلتا ہے۔اپنی منزل ہوتی ہے نہ ٹھکانا۔

کمیشن خوری میں بھی وہ کوئی اپنا حق نہیں لے رہا ہوتا ہے بلکہ قوم کی دولت کو اس راستے سے اپنے کھاتے میں جمع کروالیتا ہے، یوں وہ حب الوطنی کا نہیں قوم اور ملک دشمنی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کرچکے ہیں کہ ہماری قومی وملی زندگی کی تباہی کا سبب ''تکاثر'' ہے۔اور جب کسی قوم کو یہ مرض لگ جاتا ہے تو اس میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ دن بہ دن بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ قبر کے گہرے گڑھے میں جااترتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ دوسری کی تمنا کرے گا۔اس کے منہ کو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی۔'' (بخاری)

یہی تمنا اور یہی اس کی آرزو اسے خدا، موت اور آخرت سے غافل کردیتی ہے۔اسے اگر فکر ہوتی ہے تو اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کی۔اسے تو زیادہ سے زیادہ دولت چاہیے، اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔گویا حرام حلال کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور اس سے غافل ہوجاتا ہے کہ اس روش کا انجام کیا ہوگا۔دنیا کی بربادی تو اس کا مقصد ہوتی ہی ہے آخرت بھی برباد ہوجاتی ہے۔

ہم یہ یقیناً چاہیں گے کہ ہمارے ملک وقوم سے ذلت وادبار کی یہ فضا چھٹ جائے تو ہمیں اپنے آپ کو انفرادی اور قومی سطح پر تبدیل کرنا ہوگا اور یہ تبدیلی عزم وارادے کے بغیر ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ ''اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔''

انفرادی سطح پر تو ہمیں زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے جنون سے چھٹکارا پانا ہوگا اور اس کی جگہ صبر وقناعت اختیار کرنی ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو کسی نے کھالیا وہ اس کا اپنا ہے، جو اس نے پہن کر پرانا کرلیا وہ اس کا اپنا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کردیا وہ اس کا اپنا ہے جس کا اجر اس کے مرنے کے بعد اسے ملے گا، جو باقی چھوڑ گیا تو وہ لوگوں کا ہے، یعنی اس پر اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء قابض ہوں گے۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک انسان کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے کتنے مال کی ضرورت ہوسکتی ہے اور اتنا مال حاصل کرنے کے لیے انسان کو جدوجہد کی ضرورت تو ہے لیکن حرص وہوس، اور قرآن کی اصطلاح میں ''تکاثر'' میں مبتلا ہونے کی حاجت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس میں مبتلا ہونے کی کوشش کرتا ہے بلکہ حتی الامکان اس سے بچنے اور کنارہ کشی کو ہی مقدم سمجھتا ہے۔

قومی سطح پر تبدیلی کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان دھوکے بازوں، ہوس کے پتلوں اور دولت کے پجاریوں کا راستہ ہر صورت روکا جائے جو دھوکے اور دولت کے بل بوتے پر قیادت کے مناصب پر قابض ہوجاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کے جنون میں مبتلا ہوکر قوم کی کھال تک اتارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

وما علینا الا البلاغ

درس قرآن

قسط نمبر ۹

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ﴾ [یٰس: ۵]

''یہ سب پر غالب، نہایت مہربان کا نازل کیا ہوا ہے۔''

''تنزیل'' کے معنی ایک چیز کو یکے بعد دیگرے اور متفرق طور پر نازل کرنے کے ہیں۔ (مفردات)

قرآنِ حکیم بھی بالتدریج تیئس سال میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اس لفظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دو صفات ''عزیز'' اور ''رحیم'' بیان ہوئی ہیں جبکہ دوسرے مقامات پر نزولِ قرآن کے بیان میں دیگر صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝﴾ [الشعراء: ۱۹۲]

﴿تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ۝﴾

[الزمر: ۱، الجاثیة: ۲، الاحقاف: ۲]

﴿تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۝﴾ [غافر: ۲]

﴿تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝﴾ [فصلت: ۲]

﴿تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۝﴾ [فصلت: ۴۲]

گویا اسے اللہ ربّ العالمین نے نازل کیا ہے جو عزیز وحکیم ہے، رحمٰن ورحیم ہے اور علیم وحمید ہے۔

مشرکین مکہ کو قرآنِ مجید کے بارے میں جہاں یہ اعتراض تھا کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا کلام ہے اور اس میں بیان کی گئی باتیں اساطیر الاوّلین ہیں، وہاں وہ اسے بھی ناممکنات میں سے سمجھتے تھے کہ ہم جیسا بشر، جو ہم ہی میں سے ایک فرد ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور کوئی بڑا صاحب ثروت بھی نہیں، رسول کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مختلف مقامات پر ان کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ کی رسالت کے ثبوت میں فرمایا ہے:

''حکمت بھرے قرآن کی قسم، بلاشبہ آپ رسولوں میں ایک رسول ہیں، صراطِ مستقیم پر ہیں۔''

یہ حکمت بھرا قرآن ''عزیز ورحیم'' ہی کا نازل کیا ہوا ہے۔ وہ سب پر غالب ہے جو چاہتا ہے۔ فیصلہ فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے رسول بنا دیتا ہے۔ کسی کو رسول بنانا اور اس پر اپنا کلام نازل کرنا سراپا اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۝ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۝﴾

[الزخرف: ۳۲،۳۱]

''اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ کیا وہ تیرے ربّ کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا تاکہ ان کا بعض بعض کو تابع بنا لے، اور تیرے ربّ کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

اس نے اپنی رحیمیت کی بنا پر ہی رسول رحمت بھیجا ہے اور اپنی کتاب نازل فرمائی۔ جیسے فرمایا ہے:

﴿تنزیل من الرحمن الرحیم﴾

یا جیسے فرمایا:

﴿الرحمن o علم القرآن﴾

تنزیل قرآن یا تعلیم قرآن کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات رحمٰن ورحیم کا تذکرہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا نزول سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، اس لیے اس نے اپنی مخلوق کو تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا نہیں چھوڑا بلکہ ان کی راہنمائی کے لیے حکمت بھری کتاب نازل کی ہے تاکہ وہ گمراہیوں سے بچ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں اور اپنے مقصد کو پالیں۔

''تنزیل'' کی اعرابی حالت:

''تنزیل'' کو بعض نے فعل محذوف کا مصدر بنایا ہے، یعنی:

"نزّل الله ذلك تنزيل العزيز الرحيم"

اور بعض نے فعل محذوف کا مفعول قرار دیا ہے:

"والقرآن الحكيم o اعنى تنزيل العزيز الرحيم"

اور یہ بھی کہا گیا ہے تنزیل یہاں بمعنی ارسال ہے، جیسے قرآنِ مجید میں ہے:

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا o رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ [الطلاق: ۱۰،۱۱]

''یقیناً اللہ نے تمھاری طرف نصیحت نازل کی جو ایسا رسول ہے کہ تمھارے سامنے اللہ کی واضح بیان کرنے والی آیات پڑھتا ہے۔''

یہاں ''انزال ذکر'' سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ''ذکر'' سے موسوم کرنا ایسا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمہ'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ''رسولاً'' کا لفظ ''ذکراً'' سے ''بدل الکل'' ہے، یعنی آپ ﷺ کی ذات گرامی سراپا نصیحت ہے۔ اور آپ ﷺ کو ''الذکر'' اس لیے کہا گیا ہے کہ کتب سابقہ میں آپ ﷺ کے متعلق خوشخبری پائی جاتی ہے۔ (مفردات)

اور جب کہا جاتا ہے: "أرسل الله المطر" تو اس سے مراد نزول مطر ہوتا ہے، اسی طرح ''تنزیل'' بمعنی ارسال ہے، اسی لیے علامہ قرطبی نے کہا ہے:

"محمد ﷺ رحمة الله أنزلها من السماء."

''محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کی رحمت ہیں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے۔''

بلاشبہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور آیت مبارکہ میں قرآنِ مجید اور رسول اللہ ﷺ دونوں مراد ہیں۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہیں اور دونوں سے مقصود اپنے بندوں کو گمراہیوں سے بچا کر فلاح وفوز سے ہمکنار کرنا ہے۔

''العزیز'' میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآنِ حکیم کو نازل کرنے والا اور محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجنے والا سب پر غالب ہے، اس لیے ان کا انکار کرنے والے کسی غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کے انکار سے ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ خبردار رہو کہ یہ قرآن اس ہستی کا کلام ہے جو سب کا مالک ہے، اور محمد ﷺ اس مالک کے رسول ہیں جو سب پر غالب ہے۔ جس کی پکڑ سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ جو سرکشی کرے گا وہ بہرحال سزا پائے گا۔

اور ''الرحیم'' میں یہ اشارہ ہے جو میرے رسول کی اطاعت کرے گا اور میرے کلام کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرے گا وہ اس ''الرحیم'' کی رحمتوں کا مستحق قرار پائے گا۔

ماتریدی نے انھی دو صفات کے حوالے سے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: عزیز ورحیم، عظیم ولطیف، ظاہر وباطن، اوّل آخر۔ اور یہ بات مشاہدے کی ہے کہ انسانوں میں جو عزیز ہے وہ رحمت سے عاری ہے، جو عظیم ہے وہ لطف وکرم سے محروم ہے، جو ظاہر ہے وہ باطن نہیں اور جو اوّل ہے وہ آخر نہیں۔ جس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے مخلوق اور خالق کی صفات مختلف ہیں۔ جس معنی میں کوئی صفت مخلوق کی ہے خالق کی صفت اس سے کہیں مختلف اور مہتم بالشان ہے۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: لا يفرّق بين اثنين

دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالو

١١٧٥ . عن عبد الله بن عمرو أن النبي ﷺ قال: ((لا يحل لرجل أن يفرق بين اثنين إلا بإذنهما.))

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی کے لیے حلال نہیں کہ بغیر اجازت کے دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر ان میں جدائی پیدا کرے مگر ان کی اجازت سے۔"

فائدہ: یعنی اگر فقط دو آدمی بیٹھے باتیں کرتے ہوں تو تیسرے آدمی کو چاہیے کہ وہ ان دونوں کی اجازت کے بغیر ان میں نہ گھسے۔

باب: يتخطى إلى صاحب المجلس

صاحب مجلس کے پاس جانے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے

١١٧٦ . عن ابن عباس قال: لما طعن عمر رضي الله عنه كنت فيمن حمله حتى أدخلناه الدار، فقال لي: يا ابن أخي! اذهب فانظر من أصابني ومن أصاب معي، فذهبت فجئت لأخبره. فإذا البيت ملآن، فكرهت أن أتخطى رقابهم ـ وكنت حديث السن ـ فجلست وكان يأمر إذا أرسل أحدا بالحاجة، أن يخبره بها وإذا هو مسجى، وجاء كعب فقال: والله لئن دعا أمير المؤمنين ليبقينه الله وليرفعنه لهذه الأمة حتى يفعل فيها كذا وكذا ـ حتى ذكر المنافقين فسمى وكنى ـ قلت: أبلغه ما تقول؟ قال: ما قلت إلا وأنا أريد أن تبلغه فتشجعت فقمت فتخطأت رقابهم حتى جلست عند رأسه، قلت: إنك أرسلتني بكذا، وأصاب معك كذا ـ ثلاثة عشر ـ وأصاب كليبا الجزار وهو يتوضأ عند المهراس، وإن كعبا يحلف بالله بكذا، فقال: ادعوا كعبا فدعي، فقال: ما تقول؟ قال: أقول كذا وكذا، قال: لا والله، ولا أدعو ولكن شقي عمر إن لم يغفر الله له.

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا میں ان لوگوں میں شامل تھا جو ان کو اٹھا کر گھر تک لائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بھتیجے! جا کر دیکھو، کون ہے وہ آدمی جس نے مجھ کو زخم لگا کر تکلیف پہنچائی ہے؟ اور میرے ساتھ اور کون کون زخمی ہوا ہے؟ میں گیا اور دیکھ کر واپس آیا تاکہ انھیں اطلاع دوں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا گھر لوگوں کے ہجوم کے باعث بھرا ہوا تھا، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جاؤں۔ میں نوجوان تھا، میں پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارک تھی جب کسی

آدمی کسی کام کے لیے بھیجتے تو اس کو تاکید کرتے کہ واپس آ کر ان کو مطلع کرے۔ وہ اس وقت کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: امیر المومنین کو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں امت کی بہتری کے لیے باقی رکھے، اور اس امت کی وجہ سے ان کو بلند مرتبہ دے گا اور ان سے ایسا ایسا کام لیا جائے گا، تا آنکہ انھوں نے منافقین کا بھی ذکر کردیا، کسی کا نام لیا اور کسی کا کنایۃً ذکر کیا۔ میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا یہ باتیں جو آپ رضی اللہ عنہ نے کہی ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچا دوں؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ باتیں اسی لیے کی ہیں تاکہ تم ان کو پہنچا دو۔ میں نے ہمت سے کام لیا اور کھڑا ہوگیا۔ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا ان کے سر کے قریب جا بیٹھا، میں نے عرض کی: آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے بھیجا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیرہ آدمی زخمی ہوئے ہیں کلیب جزار کو بھی زخمی کیا گیا ہے جب وہ پتھر کے بڑے حوض سے وضو کر رہے تھے۔ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر یہ یہ کہہ رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا: حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ ان کو بلایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ کیا کہتے ہیں؟ حضرت کعب نے کہا: میں اس طرح اور اس طرح کہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! میں یہ دعا نہیں کروں گا، عمر کتنا بدبخت ہوگا اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہ کی۔''

١١٧٧ . عن الشعبي قال: جاء رجل إلى عبد الله بن عمرو ـ وعنده القوم جلوس ـ يتخطى إليه فمنعوه، فقال: اتركوا الرجل، فجاء حتى جلس إليه . فقال: أخبرني بشيء سمعته من رسول الله ﷺ قال: سمعت رسول الله يقول: ((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه .))

''حضرت شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر ان کے پاس جانے لگا تو لوگوں نے اسے منع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اسے میرے پاس آنے دو۔ وہ آدمی آیا اور آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، کہنے لگا: مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیا۔''

یعنی اسلام وہجرت سے مراد نفس الامر ہے، نہ کہ مجرد کلمہ کہنا اور گھر چھوڑ دینا۔

باب: أكرم الناس علي الرجل جليسه

سب سے زیادہ عزت وتکریم کا مستحق آدمی کا ہم نشین ہوتا ہے

١١٧٨ . عن ابن عباس: أكرم الناس علي جليسي .

''حضرت عبداللہ بن عباس نے ارشاد فرمایا: میرے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو میرا ہم مجلس ہے۔''

١١٧٩ . عن ابن عباس قال: أكرم الناس علي جليسي أن يتخطى رقاب الناس حتى يجلس إلي .

''حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: لوگوں میں سے سب سے زیادہ عزت والا میرے نزدیک وہ آدمی ہے جو میرا ہم نشین ہے اگرچہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ آئے یہاں تک کہ میرے پاس آ کر بیٹھ جائے۔''

(٦)

جــرعــات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

مولانا رحمہ اللہ چونکہ کم وبیش پچیس سال تک تدریس سے منسلک رہے، کچھ ان کا مزاج بھی اجتماعی تھا کہ تجربے اور مشاہدے نے یہ جان لیا تھا ع موج ہے دریا میں، بیرونِ دریا کچھ نہیں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی سالانہ کانفرنس منعقدہ لائل پور (فیصل آباد) میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام فیصل آباد ہی میں ایک مرکزی درسگاہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا رحمہ اللہ نے جس پر مسرت سے لبریز یہ اداریہ تحریر فرمایا اور اس کے لیے چند مختصر لیکن مفید ترین تجاویز بھی اعیانِ جماعت کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس اداریے میں التعليقات السلفية على سنن النسائي کی طباعت کی خوش خبری بھی دی گئی ہے۔ نیز آخری پیرے میں علمائے اہل حدیث کی علم پروری اور قدر شناسی دیکھیے کہ وہ کس فراخ دلی سے مختارات من أدب العربي کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں، اور اس کو داخل نصاب کرنے کا مشورہ دینے میں بھی وہ متامل نہیں ہوئے، ملاحظہ فرمائیے۔ (احمد شاکر)

(۷)

الحمد للہ کہ اس ملک میں جماعت اہل حدیث کی اجتماعی حیثیت میں پہلی جماعتی درسگاہ ''الجامعۃ السلفیۃ'' کا اجرا مشخص طور پر بہ مقام لائل پور عمل میں آ گیا ہے اور انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ جامعہ کو مشہور اہل علم محقق، استاذ محترم حضرت مولانا حافظ محمد صاحب نفع اللہ الطالبین بعلومہ کی سرپرستی بحیثیت شیخ الجامعہ حاصل ہو گئی ہے۔ اور دوسری قابل مسرت یہ خبر ہے کہ مرکزی جمعیت کے صدر محترم جناب مولانا سیّد محمد داود صاحب غزنوی مدظلہ العالی (اور اب رحمہ اللہ) نے بھی حسبۃً للہ ہر مہینے دو سبقوں، ایک کتابی دوسرا محاضرہ، سے طلبائے جامعہ کو مستفیض فرمانے کا وعدہ فرما لیا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ''الجامعۃ السلفیۃ'' کا جماعت اہل حدیث کی نگرانی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کے انتظام میں ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ''الجامعۃ السلفیۃ'' یا اس کا نصاب جماعت اہل حدیث کے ساتھ مخصوص ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''الجامعۃ السلفیۃ'' کا تعلیمی نقشہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے تعلیمی نظریات پر ترتیب دیا گیا ہے جس میں قرآنِ حکیم، حدیث اور فقہ کے علاوہ ان کے علوم خادمہ کو بھی ہر ایک کے مناسب برابر اہمیت دی گئی ہے۔ اور یوں بھی عملی طور پر دیکھا جائے تو جماعت کے مدارس میں حنفی مکتب فکر کے نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ تک بھی ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ اور اس طرح کہ اہل حدیث ماحول کو انھوں نے کبھی اجنبی محسوس نہیں کیا۔ وليس الخبر كالعيان ''الجامعۃ السلفیۃ'' بھی جماعتی روایات کا حامل ہے اور اس وقت بھی مدرسہ فتح پوری دہلی کے ایک سابق صدر مدرس جناب مولانا شریف اللہ صاحب اس کے عملہ شیوخ میں شامل ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے اکابر کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے:

۱: الجامعۃ السّلفیہ کے اساتذہ اور طلباء کو خلوص، عبادات ومعاملات، وضع، ہیئت اور لباس میں طرز بود وماند سنن نبویہ کی پابندی اور سادہ معاشرت میں محدثین کرام کی روش پر چلنا ضروری ہے۔ ہمارے ماضی قریب کے علماء بھی سلف کی روایات کے حامل تھے۔ بلکہ ''الجامعۃ السلفیۃ'' کے سارے عملے کے لیے سنن کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

۲: چونکہ اس وقت مدرسین، مبلغین اور خطباء کی سخت قلت ہے، اس لیے نہایت ضروری ہے کہ جامعہ کی تعلیم میں حضرات اساتذہ اور طلباء عزیز کے یہ مقصد ہر لحہ پیش نظر رہے۔

۳: طلباء میں یہ تصور پختہ کیا جائے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور پھر اس کے دین کی تدریس وتبلیغ کے لیے علوم عربیہ کو نہایت محنت سے

حاصل کریں۔ جس پاکیزہ جذبے کے تحت اجلۂ محدثین اپنی کتابوں کو حدیث ((إنما الأعمال بالنیات)) سے شروع کرتے ہیں، اس پاک جذبے کو بکرات ومرات ان کے ایسا ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے کہ موجودہ فاسد ماحول سے پیدا شدہ فاسد نظریۂ معاش......فکرروٹی...... بالکل پچھلی صف میں چلا جائے۔

۴: امتحانات یونیورسٹی کے سلسلے کی کسی چیز کو، گو وہ کیسے ہی پر فریب اور جاذب عنوانوں سے ہو، جامعہ کی تعلیم کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا جائے بلکہ اس امر کی کڑی نگرانی ہونی چاہیے کہ اس قسم کے رجحانات جنم ہی نہ لینے پائیں۔

۵: تربیت کے لیے قرآنِ حکیم کے روزانہ درس کا التزام بہت ضروری ہے۔ ماضی قریب میں صبح کے درسِ قرآن کو اخلاقی اور عملی تربیت میں خاص دخل رہا ہے۔ یقین ہے کہ یہ شے اب بھی مؤثر ہوگی بشرطیکہ اسے استقلال اور مسلسل محنت کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

۶: معلوماتی مطالعے کے لیے دارالمطالعہ کا قیام نہایت ضروری ہے جس کے لیے جامعہ کے بجٹ میں خاص گنجائش رکھی جانی چاہیے۔ اس طرف توجہ نہ دی گئی تو طلباءِ عزیز میں علمی ذوق کی کمی رہے گی۔

۷: معلوماتی مطالعے میں سلیقہ اور ضبط ہونا چاہیے، یعنی ایسے طریقے سے یہ مطالعہ کرایا جائے کہ اصل مقصد کے لیے معاون ہو، ورنہ یہی مطالعہ ذہنی انتشار کا اگر سبب بن جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضر ہوسکتا ہے۔

۸: معلوماتی مطالعے کا ایک خاص حصہ اسلاف کرام کی کتابیں اور ان کے تذکروں کا ہونا چاہیے کیونکہ قرآن وحدیث کے بعد ائمہ سنت کی تصانیف اور محدثین وصوفیائے کرام کے تذکروں سے دل درست ہوتے اور دماغ جلا پاتے ہیں۔ بخلاف عصر حاضر کی اکثر کتابوں کے کہ ان سے یہ مقصد نہ صرف کہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اوجھل ہوجاتا ہے۔

یہ باتیں سرسری طور پر زبانِ قلم پر آ گئی ہیں ورنہ راقم جانتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے سامنے ایسی باتیں کرنا لقمان کو حکمت سکھانے کی جسارت ہے۔

جامعہ کی تعمیر کا کام سرگرمی سے شروع ہوگیا ہے، ہم سب کا فرض ہے کہ اس کی صوری ومعنوی تکمیل میں اپنی مساعی تیز تر کردیں۔ مدتوں کی تمناؤں کے بعد ایک چیز منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے تو جماعت کے شانِ شایاں اس کی تکمیل ہونی چاہیے جس کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایہ پہلی ضرورت ہے۔ ہماری جماعت میں بحمد اللہ ایسے افراد کی کمی نہیں جن کی تھوڑی سی نگہ التفات سے تعمیر کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں، ﴿ان تنصروا الله ینصر کم ویثبت اقدامکم﴾

''المکتبۃ السلفیۃ'' لاہور ایک مدت سے سنن نسائی کی طباعت میں مصروف تھا جس کے انتظار میں پاک وہند کے بہت سے شائقین چشم براہ تھے۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس کتاب کی طباعت، اس کے حواشی ''التعلیقات السلفیة علی المجتبی من السنن'' سمیت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ ولله الحمد

تعلیقات نویس چاہتا تھا کہ کتاب سے پہلے ایک مقدمہ ہو مگر بعض ناگہانی حوادث کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کی تحریر وتسوید عمل میں نہیں آسکی اور صرف اس وجہ سے کتاب کی اشاعت کو مؤخر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا، تاہم ارادہ اس کے لکھنے کا ترک نہیں کیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مقدمہ ترتیب پا گیا تو اس میں فن سے متعلقہ بہت سے اہم مباحث ایک جگہ مرتب مل سکیں گے جو متفرق مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں، بیده الأمر وهو نعم المولی ونعم النصیر .

یہ معلوم کرکے اصحاب علم وذوق خوش ہوں گے کہ محترم فاضل مولانا ابوالحسن علی ندوی کی عربی نثر میں بلند پایہ کتاب "مختارات من أدب العرب" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے مناسب جماعتوں کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ یہ ہر حیثیت سے مقامات حریری وغیرہ سے بہتر اور برتر ہے۔ ''الجامعۃ السلفیۃ'' کے نصاب کے مرتبین کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ③

جشن عید میلاد ...... کتاب وسنت کی روشنی میں

مفتی عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ

اس بدعت کے اوّلین بانی:

رہا یہ سوال کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے کون اور کیسے لوگ تھے اور انھوں نے اس بدعت کو کب ایجاد کیا تو سنیے! علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی نے اپنی کتاب ''المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار'' میں یہ عنوان قائم کیا ہے:

"الأيام التي كان الخلفاء الفاطميون يتخذونها أعيادا ومواسم تتسع بها أحوال الرعية وتكثر نعمهم." (١/ ٤٩٠)

''ان ایام کا بیان جن میں فاطمی خلفاء عیدیں اور تہوار مناتے تھے جن کے ذریعے رعایا کی حالت آسودہ ہو جاتی اور ان کی نعمتیں کثیر ہو جاتیں۔''

اس عنوان کے تحت علامہ مقریزی رقم طراز ہیں:

"كان للخلفاء الفاطميين في طول السنة أعياد ومواسم، وهي: موسم رأس السنة، وموسم أوّل العام، ويوم عاشوراء، ومولد النبي ﷺ، ومولد علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ومولد الحسن، ومولد الحسين رضي الله عنهما، ومولد فاطمة الزهراء رضي الله عنها، ومولد الخليفة الحاضر ...... إلخ."

''فاطمی خلفاء سال بھر میں یہ عیدیں اور تہوار مناتے تھے: سال کے آخر کا تہوار، سال کے آغاز کا تہوار، عاشوراء کے دن کا تہوار، میلاد النبی ﷺ، میلاد علیؓ، میلاد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، میلاد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور موجود خلیفہ کا میلاد ...... الخ۔''

علامہ مقریزی کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ میلاد النبی ﷺ کے اوّلین موجد فاطمی خلفاء تھے اور یہ بات تقریباً ہر خاص وعام پر عیاں ہے کہ فاطمی خلفاء کٹر رافضی شیعہ تھے، اور یہ میلاد ان رافضی شیعوں کی ایجاد ہے۔ اور یہ لوگ میلاد النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت علی وفاطمہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کا میلاد بھی مناتے تھے۔

علامہ ابوالعباس احمد بن علی المعروف القلقشندی نے اپنی کتاب "صبح الأعشى في صناعة الإنشاء" میں اس میلاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"الجلوس الثالث جلوسه في مولد النبي صلى الله في الثاني عشر من شهر ربيع الأوّل، وكان عادتهم فيه أن يعمل في دار الفطرة عشرون قنطاراً من السكر الفائق حلوى من طرائف الأصناف تعبي في ثلاث مائة صينية نحاس، فإذا كان ليلة ذلك المولد تفرق في ارباب الرسوم كقاضي القضاة وداعي الدعاة وقراء الحضرة والخطبآء والمتصدرين في الجوامع بالقاهرة ومصر وقومة المشاهد وغيرهم." (٣/ ٤٩٨)

''فاطمی خلفاء تیسرا جلوس بارہ ربیع الاوّل کو میلاد النبی کا نکالتے تھے۔ اور اس جلوس کے بارے میں ان کی عادت تھی کہ دار فطرۃ ۲۰ قنطار عمدہ شکر کا مختلف اقسام کا حلوہ تیار کیا جاتا اور اسے تانبے کی تین سو پلیٹوں میں ڈال کر رکھا جاتا۔ جب میلاد کی رات ہوتی تو مختلف عہدوں پر فائز افسران، جیسے: قاضی القضاۃ، خطباء، شہر کے قراء، قاہرہ اور مصر کی یونیورسٹیوں کے صدور اور مزاروں کے نگران وغیرہ، میں

بانٹ دیا جاتا۔“

علامہ محمد بخیت حنفی مفتی مصر اپنی کتاب ”أحسن الكلام في ما يتعلق بالسنة والبدعة من الأحكام“ میں لکھتے ہیں:

”إن أوّل من أحدثها بالقاهرة الخلفاء الفاطميون وأولهم المعز لدين الله، توجه من المغرب إلى مصر في شوال، سنة ٣٦١ إحدىٰ وستين وثلاث مائة هجريا فوصل إلى شغر أسكندرية في شعبان سنة اثنتين وستين وثلاث مائة ودخل القاهرة لسبع خلون من شهر رمضان في تلك السنة فابتدعوا ستة موالد: المولد النبوي صلى الله عليه وسلم، ومولد أمير المؤمنين علي رضى الله عنه، ومولد السيدة فاطمة الزهراء، ومولد الحسن، ومولد الحسين، ومولد الخليفة الحاضر، وبقيت هذه الموالد على رسومها إلى أن أبطلها الأفضل بن أمير الجيوش.“

”سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ قاہرہ میں فاطمی خلیفوں نے ایجاد کی اور ان میں سب سے پہلے ”المعز لدین اللہ“ ہے جو مغرب سے مصر کی طرف شوال ۳۶۱ھ میں متوجہ ہوا اور شعبان ۳۶۲ھ میں اسکندریہ کی سرحد تک پہنچا اور قاہرہ میں اسی سال رمضان المبارک کی سات تاریخ کو داخل ہوا تو ان لوگوں نے چھ موالید ایجاد کیے: (۱) عید میلاد النبی ﷺ۔ (۲) میلاد علی رضی اللہ عنہ۔ (۳) میلاد فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ (۴) میلاد حسن رضی اللہ عنہ۔ (۵) میلاد حسین رضی اللہ عنہ۔ (۶) میلاد حاضر وقت خلیفہ۔ یہ موالید اپنے رسم ورواج کے ساتھ جاری رہے حتی افضل بن امیر الجیوش نے آ کر انھیں ختم کر دیا۔“

یہی بات الشیخ علی بن محفوظ نے اپنی کتاب ”الإبداع في مضار الابتداع“ کے صفحہ (۱۶۲) میں، سیّد علی فکری نے ”المحاضرات الفكرية“ کے صفحہ (۸۴) میں ”البدع في المولد“ کے عنوان کے تحت اور دکتور علی بن محمد ناصر (استاذ قسم الدراسات العليا۔ مدینہ) نے اپنی کتاب ”البدعة وضوابطها وأثرها السيئة في الأمة“ کے صفحہ (۱۶-۲۱) میں یہی بات لکھی ہے۔ تفصیل کے لیے شیخ اسماعیل بن محمد انصاری کی کتاب ”القول الفصل في حكم الأحتفال بمولد خير الرسل (ص: ٦٤-٧٢) ملاحظہ ہو۔

ان تاریخی حوالہ جات سے یہ بات نیر تاباں کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ چوتھی صدی کے ساتویں عشرے میں فاطمی خلیفوں نے چھ موالید کو ایجاد کیا تھا، ان میں ایک ایجاد عید میلاد النبی ﷺ بھی تھی۔ اس سے پہلے دور خیر القرون میں اس کا کہیں بھی ذکر موجود نہیں ملتا، یہ رافضی شیعوں کی ایجاد ہے جن کی گمراہی میں ذرّہ بھر بھی شبہ نہیں ہے۔ اب عہد حاضر کے نام نہاد میلادیوں نے روافض کی پانچ میلادوں کو ترک کر دیا اور ایک میلاد کو اختیار کر کے اسے محبت رسول کے نام پر اپنا رکھا ہے۔

میلاد مروّجہ کے بانی کیا تھا کیا نہیں تھے؟

اوپر کی بحث سے ثابت ہوا کہ میلاد النبی ﷺ کے بانی فاطمی شیعہ تھے اور یہ دراصل یہودی تھے جنھوں نے رافضیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے عقیدہ کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”هم قوم يظهرون الرفض ويبطنون الكفر المحض.“ (كتاب الرد على المنطقيين، ص: ١٤٢)

”یہ لوگ رافضیت کا اظہار کرتے تھے لیکن باطن میں کفر محض رکھتے تھے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ کافر، فاسق، فاجر، ملحد، زندیق، معطل اور منکر اسلام تھے۔ مجوسی اور ثنوی مذہب کے معتقد تھے۔ انھوں نے حدود کو پامال کیا۔ یہ لوگ شراب اور خون ریزی کو حلال قرار دیتے تھے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتے تھے اور سلف صالحین پر لعن طعن کرتے تھے اور انھوں نے ربوبیت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ قاضی باقلانی نے ان کے ردّ میں ”كشف الأسرار وهتك الأستار“ نامی کتاب لکھی جس میں

ان کے فضائح وقبائح کا ذکر کیا ہے۔'' (البداية والنهاية: ١١/ ٣٤٥)

حافظ ابن کثیر مزید لکھتے ہیں:

''فاطمی خلفاء غنی تھے، ان کے ہاں مال کی کثرت تھی۔ یہ بڑے جابر اور ظالم تھے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں نجاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے دورِ حکومت میں بدعات ومنکرات ظہور پذیر ہوئیں۔ مفسدین کی کثرت ہوگئی اور صالحین میں سے علماء اور عبادت گزاروں میں کمی واقع ہوگئی۔'' (البداية والنهاية: ١٢/ ٢٦٧)

ان کا قلع قمع:

بالآخر ۵۶۴ھ میں صلاح الدین یوسف بن ایوب بن شادی نے مصر پر چڑھائی کی اور ۵۶۸ھ تک ان کے وجود کا قلع قمع کر دیا۔

(البداية والنهاية: ١٢/ ٢٥٥-٢٧١)

نیز فرماتے ہیں کہ پہلا فاطمی بادشاہ معد بن اسماعیل ابوتمیم المعروف المعز الفاطمی نے ۳۶۲ھ میں مصر اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے فاطمی حکومت قائم کی۔ اس کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهو مع ذلك متلبس (معتقد) بالرفض ظاهرا وباطنا كما قال القاضي الباقلاني: إن مذهبهم الكفر المحض، واعتقادهم الرفض وكذالك أهل دولته ومن أطاعه ونصره ووالاه، قبحهم الله وإياه."

(البداية والنهاية: ١١/ ٣٠٢)

یعنی یہ شخص ظالم، متکبر اور مذہبا رافضی تھا اور اسی طرح اس کے سرکاری اہل کار پیروکار اور اس کے مددگار سب رافضی مذہب کے ہیں۔ اللہ ان کا بھلا نہ کرے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ظاهر مذهبهم الرفضة وباطنهم الكفر المحض." (فتاویٰ ابن تیمیہ: ٤/ ٢٠)

''فاطمی حکمران بظاہر رافضی تھے اور باطن میں خالص کافر تھے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"هولآء مثل القرامطة الباطنية الذين قولهم مؤلف من قول المجوس والصابئة."

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ٤/ ١١٤)

''فاطمی حکمران قرامطہ باطنیہ جیسے ہیں جو مجوسیوں اور صائبوں کے پیروکار ہیں۔''

چونکہ قرامطہ باطنیہ معاد جسمانی کے منکر ہیں، لہٰذا کافر ہیں۔

اربل میں عید میلاد کا موجد:

۵۶۸ھ کے بعد اربل کے بادشاہ ابوسعید کوکبوری بن ابی الحسن علی بن بکتگین بن محمد ملقب ''الملک المعظم مظفر الدین، صاحب اربل'' نے ساتویں صدی کے آغاز (۶۰۴ھ) میں اس بدعت کو از سر نو منانا شروع کر دیا۔

صاحب اربل کا تعارف:

ہوا یہ کہ غازی اسلام سلطان الدین ایوبی کے جرنیل افضل بن امیر الجیوش نے اگرچہ ۵۶۵ھ میں اس بدعت کو ملیا میٹ کر دیا تھا لیکن بعد ازاں اربل شہر میں اس بدعت کو صوفی عمر بن محمد الملاء نے دوبارہ جاری کر دیا۔

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل المعروف بابی شامۃ (المتوفی: ۶۶۵ھ) تصریح فرماتے ہیں:

"وكان أوّل من فعل ذلك بالموصل الشيخ عمربن محمد الملا أحد الصالحين المشهورين وبه اقتدى في ذلك صاحب أربل وغيره."

(الباعث على إنكار البدع والحوادث، ص: ٢١)

''موصل شہر میں سب سے اوّل عمر بن محمد الملک، جو مشہور صوفیوں میں سے تھا، نے اس بدعت کا دوبارہ اجرا کیا اور اربل کے بادشاہ نے بھی اس کی اقتدا میں اس بدعت کو فروغ دیا۔''

صاحب اربل ایک فضول خرچ، عیاش اور کھلنڈرا بادشاہ تھا، اس کو ایک ہم نوالہ اور ہم پیالہ دنیا دار بدعتی مولوی مل گیا۔ اس بادشاہ کا نام ابوسعید کوکبوری بن علی بن بکتگین بن محمد ملقب بہ ''الملک

المعظم مظفر الدین'' (المتوفی: ۱۸/ رمضان ۶۳۰ھ) ہے۔ اس نے ساتویں صدی کے آغاز میں اس بدعت کو اربل میں جاری کر دیا۔ امام سیوطی لکھتے ہیں:

"أوّل من أحدث فعل ذلك صاحب أربل (موصل) الملك مظفر أبوسعيد كوكبوري بن زين الدين علي بكتگين ."

(الحاوي للفتاوي، ص: ۲۹۲)

''ابوسعید کوکبوری نے سب سے پہلے اربل میں اس بدعت کو ایجاد کیا۔''

مجدد العلوم والا جاہ نواب سیّد صدیق حسن خاں ارقام فرماتے ہیں:

''مخترع او سلطان مظفر ابوسعید کوکبور (اس کا معنی زرد رنگ کا بھیڑیا ہے) بن زین الدین صاحب اربل است کہ در مائۃ سابع بود۔'' (دليل الطالب، ص: ٤٠٦)

امام احمد بن محمد مالکی اس بادشاہ کا تعارف کچھ یوں کراتے ہیں:

"كان ملكا مسرفا ، يأمر علماء زمانه أن يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وأن لا يتبعوا مذهب غيرهم حتى مالت إليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ويحتفل لمولود النبي صلى الله عليه وسلم في ربيع الأول وهو الأول من أحدث من الملوك هذا العمل ." (القول المعتمد في عمل المولد بحواله فتاوىٰ رشيديه، ص: ٤١٨)

''وہ ایک فضول خرچ بادشاہ تھا۔ علماء وقت کو کہتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کریں (اور سلف صالحین کے مذہب کو مسترد کر دیں) حتی کہ علماء سوء اور دنیا پرست فضلاء کا ایک گروہ اس کے ساتھ مل گیا۔ اور یہ بادشاہ ربیع الاوّل میں محفل میلاد رچایا کرتا تھا اور یہی وہ پہلا بدعتی بادشاہ ہے جس نے فاطمیوں کے بعد اربل میں اس بدعت کو رواج دیا۔''

علامہ یاقوت الحموی رقم طراز ہیں:

"فإنه كثير الظلم عسوف بالرعية راغب في أخذ المال من غير وجهها ." (معجم البلدان: ۱/ ۱۳۸)

''یہ بادشاہ بڑا ظالم تھا، اور فقراء پر مال خرچ کرنے والا اور غرباء پر بہت صدقہ کرنے والا بھی تھا اور کفار کے ہاتھوں قیدیوں کو رہا کرانے پر بہت زیادہ مال خرچ کرنے والا تھا۔''

اس کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب پھبتی کسی ہے۔

كساعية للخير من كسب فرجها
لك الويل لاتزني ولا تتصدقي

''(یہ بادشاہ) اس عورت کی مانند ہے جو اپنی شرمگاہ کی کمائی کے ساتھ خیرات کرنے والی ہے۔ اے عورت! تیرے لیے ہلاکت ہو، نہ تُو زنا کر اور نہ صدقہ کر۔''

علامہ یاقوت حموی کی اس وضاحت سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ یہ بادشاہ لوگوں کے اموال غصب کر کے اور رعایا پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر فقراء پر خرچ کرتا اور قیدی رہا کرواتا اور شاعر کے مذکور بالا شعر کا مکمل مصداق تھا۔

علامہ ابن خلکان اپنی معروف ترین تاریخ "وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان" میں اس کی قائم کردہ محفل میلاد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے تمام حالات کا ذکر سر دست مشکل ہے تاہم کچھ حصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی رعایا محفل میلاد کے ساتھ اس کے حسن اعتقاد سے خوب واقف تھی اور اربل کے قریبی شہروں، مثلاً: بغداد، موصل، جزیرہ، سنجر، نصیبین، ملک عجم اور اطراف سے ہر سال لوگ اس کے پاس آتے تھے۔ ان میں فقہاء، صوفیاء، قراء، شعراء، واعظین اور ہر طرح کے لوگ ہوتے تھے۔ محرم سے لے کر ربیع الاوّل کے ابتدائی ایام تک لوگ مسلسل آتے رہتے تھے۔

علامہ سبط ابن جوزی اس کے دستر خوان کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

"حكى بعض من حضر سماط المظفر في بعض الموالد أنه عد في ذلك السماط خمسة

آلاف رأس غنم مشوي وعشرة آلاف دجاجة ومائة فرس ومائة ألف زبدية وثلاثين ألف صحن حلوى، قال: وكان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء والصوفية فيخلع عليهم ويطلق لهم ويعمل للصوفية سماعاً من الظهر إلى الفجر ويرقص بنفسه معهم، وكان يصرف على المولد كل سنة ثلث مائة ألف دينار." (مرآة الزمان في تاريخ الأعيان: ۸/ ۶۸۱ الحاوى للفتاوي للسيوطي: ۱/ ۱۸۹، ۱۹۰ البداية والنهاية: ۱۳/ ۱۲۴ سبل الهدیٰ والرشاد في سيرة خير العباد: ۱/ ۳۶۲)

''ملک مظفر کے منعقد کردہ محفل میلاد کے دستر خوان پر حاضر ہونے والے بعض افراد نے بیان کیا کہ دستر خوان پر پانچ ہزار بھنی ہوئی بکریاں، دس ہزار مرغیاں، سو گھوڑے اور ایک لاکھ آبخورے اور تیس ہزار حلوے کی ڈشیں شمار کی گئیں۔ اس کی محفل میلاد میں بڑے بڑے بدعتی مولوی اور صوفی حاضر ہوتے، وہ ان کو خلعتیں عطا کرتا تھا۔ اور صوفیوں کے لیے مجلس سماع ظہر سے لے کر فجر تک قائم کرتا تھا اور ان کے ساتھ خود رقص کرتا تھا۔ اور مجلس میلاد پر ہر سال تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) اس بادشاہ کی فضول خرچیوں کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

"ذكر يوسف بن الجوزي في تاريخه أنه كان ينفق كل سنة على مولد النبي ﷺ نحو ثلاث مائة ألف دينار." (دول الإسلام: ۲/ ۱۰۲)

''یہ بادشاہ ہر سال میلاد النبی ﷺ پر تقریباً تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔''

بدعتی مولوی:

اس بدعت کے دلدادہ اور کھلنڈرے بادشاہ کی اس بدعت اور خانہ ساز محفل میلاد کے جواز میں سب سے پہلے جس مولوی صاحب نے "التنوير في مولد السراج المنير والبشير" نام کی لال کتاب لکھنے کی جسارت کی، اسلامی تاریخ میں اس کا نام ابوالخطاب عمر بن حسین بن علی المعروف ابن دحیہ ہے۔ یہ لال کتاب کیا تھی؟ میرے گمان کے مطابق گویا دجل وافترا کی فسوں کاری، مغالطوں اور اگر مگر کی فنکاری اور قرآن وحدیث کی اوٹ پٹانگ تاویلوں کی پٹاری اور مداخلت فی الدین کی جھوٹی مینا کاری اور سنت کے ساتھ بدعت کی پیوند کاری ہوگی۔ جب اس بدعتی لالچی مولوی نے اپنی یہ لال کتاب اس بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اپنی بدعت کا جواز دیکھ کر جھوم جھوم گیا اور خوش ہو کر اس نے سونے کے ایک ہزار دینار اس بدعتی اور لالچی مولوی کو بطور انعام پیش کیے اور مزید نوازشوں سے بھی کیں۔ مؤرخ ابن خلکان (آپ اس بادشاہ کے شرمندہ احسان بھی ہیں) نے لکھا ہے:

"قد ذكرت في ترجمة الحافظ أبي الخطاب بن دحية في حرف العين وصوله إلى أربل (۶۰۴ھ) وعمل كتاب التنوير في مولد السراج المنير لما رأى من اهتمام مظفر الدين به وإنه أعطاه ألف دينار غير ما عزم عليه مدة إقامته من الإقامات الوافرة." (تاريخ ابن خلكان: ۳/ ۲۷۵ وطبع آخر: ۴/ ۱۱۹ ودول الإسلام للإمام الذهبي: ۲/ ۱۰۳)

''مولوی ابوخطاب عمر بن دحیہ ۶۰۴ھ میں اربل میں پہنچا۔ جب اس نے دیکھا کہ ابوسعید کوکبوری میلاد النبی ﷺ میں بلا کی رغبت اور اس کے اہتمام میں بڑا مستعد ہے تو اس نے بادشاہ کی اس بدعت کے جواز میں کتاب "التنوير في مولد السراج والبشير" لکھ کر جب اس بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تو اس نے اس بدعت کا جواز مہیا کرنے پر مولوی مذکور کو ایک ہزار طلائی دینار پیش کیے اور دیگر مزید ٹی۔ اے، ڈی۔ اے بھی ادا کیے۔''

اس مولوی کا چوکٹھا:

حافظ ضیاء مقدسی اس مولوی صاحب کا چوکٹھا یوں پیش فرماتے ہیں:

"لـم يـعـجـبـني حـالـه ، كان كثير الوقيعة في الأئمة ، ثم قال: أخبرني إبراهيم السنهوري أن مشائخ المغرب كتبوا له جرحه وتضعيفه ."

(لسان الميزان: ٤/ ٢٩٢)

''مجھے اس مولوی کی بدعت نوازی پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ یہ ائمہ دین کے حق میں بڑا گستاخ تھا۔ ابراہیم سنہوری نے مجھے بتایا کہ اس کے ہم وطن مشائخ اندلس نے اس مولوی کو نا اعتبار اور دین میں لکھا ہے۔''

"قـال ابـن النجار: رأيت الناس مجتمعين على كذبه وضعفه وادعائه سماع ما لم يسمعه ولقاء من لم يلقه وكانت إمارة ذلك عليه لائحة ."

(لسان الميزان: ٤/ ٢٩٠)

''امام ابن نجار فرماتے ہیں کہ یہ مولوی صاحب بڑے جھوٹے اور ضعیف انسان تھے۔ ایسی روایات کے سماع کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے جنھیں اس نے سنا ہی نہیں ہوتا اور ان اماموں سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہوسکی۔ جن سے اپنی ملاقات کا مدعی تھا۔ میں نے اپنے وقت کے ائمہ کو اس جھوٹے اور کذاب ہونے پر متفق پایا اور اس کا کذاب ہونا محتاج بیان نہیں کہ اس کا چہرہ ہی اس کے کذاب ہونے کی چغلی کھاتا ہے۔''

علامہ ابوالحسن بن المفضل کہتے ہیں:

"فعلمت أنه متهاون ، جرى على الكذب ."

(لسان الميزان: ٢/ ٢٩٥)

امام ابن عساکر فرماتے ہیں:

"إنه كان يتهم في الروايات لأنه كان مكثارا ."

(لسان الميزان: ٤/ ٢٩٧)

''یہ مولوی احادیث روایت کرنے میں متہم بالکذب تھا کیونکہ وہ بڑا باتونی آدمی تھا۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"متهم في نقله ." (ميزان الاعتدال: ٣/ ١٨٦)

''روایت نقل کرنے میں متہم بالکذب ہے۔''

حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وكان مع معرفته وحفظه مجازفا في النقل مع الدعاو ي الـعـريـضـة ، ويستعمل "حدثنا" في الإجازة ." (طبقات الحفاظ، ص: ٤٩٨)

''یہ معرفت اور قوت حافظہ رکھنے کے باوجود نقل روایت میں دھاندلی سے کام لیتا تھا اور لمبے چوڑے بلند بانگ دعوے کرتا تھا اور اپنی روایت بالاجازہ میں حدثنا کی اصطلاح استعمال کر لیتا تھا (یعنی تدلیس سے کام لیتا تھا)۔''

آخر میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

"وكـان ظـاهـري الـمـذهـب ، كثير الوقيعة في الأئـمـة وفـي الـسـلـف مـن الـعـلماء ، وخبيث اللسان أحمق شديد الكبر قليل النظر في أمور الدين متهاونا ." (لسان الميزان: ٤/ ٢٩٤)

''یہ مولوی ظاہری المذہب تھا، ائمہ دین اور علماء سلف کی بڑی گستاخیاں کیا کرتا تھا، منہ پھٹ اور دریدہ دہن، پرلے درجے کا احمق اور بڑا متکبر آدمی تھا، امور دین سے ناواقف اور ان کی ادائیگی میں تساہل پسند تھا۔''

آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ ایسا گستاخ شخص، شرعی امور سے بے بہرہ، عمل سے تہی دامن، سست، کذاب اور ناقابل اعتبار انسان کہ جسے امام ابن عساکر اور حافظ سیوطی جیسے نرم مزاج نقادفن بھی قبول نہ کریں، بھلا وہ بھی کسی کام کا آدمی ہوسکتا ہے۔ اور اس بدعتی اور افترا پرداز، دنیا دار اور عاقبت فراموش مولوی کے فتوے کو کوئی اہمیت دی

جاسکتی ہے اور اس بدعت کے جواز میں سند مانا جاسکتا ہے! کیا ایسے اللّے تللے اور لالچی آدمی کی بدعت نوازیوں کو شرعی مسائل میں حجت ماننا شریعت مطہرہ کو ٹھکرانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے!

کیفیت مجلس میلاد:

اگر اس عیاش بادشاہ اور دنیا دار مولوی کے بارے میں مذکورہ بالا تبصروں سے صرف نظر بھی کرلیا جائے اور صرف اس کی محفل میلاد کی کیفیت پر اچٹتی نظر ڈال لی جائے تو بھی اس کی دین داری، نیک نیتی اور خانہ ساز حب رسول ﷺ کی ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوٹتی نظر آئے گی، آپ اس کی محفل کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے:

"يعمل للصوفية سماعاً من الظهر إلى الفجر ويرقص بنفسه." (الحاوي للفتاوي، ص: ۲۹۳)

جیسا کہ یہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ یہ بانکا بادشاہ محفل میلاد میں جاہل اور بےعمل صوفیوں کی تسکین کے لیے ظہر سے فجر تک سماع کا اہتمام کرتا تھا۔ ان کے ساتھ خود بھی دھمال ڈالتا تھا جیسا کہ مرآۃ الزمان (۸/ ۶۸۱) میں بھی اس کے رقص کا تذکرہ آچکا ہے۔

مؤرخ ابن خلکان اس بادشاہ کا نمک خوار بھی ہے اور شکر گزار بھی، وہ بھی اس کی محفل میلاد کا نقاب الٹتے ہوئے رقم طراز ہے کہ بدعت کا خوگر یہ بادشاہ محفل میلاد کے اہتمام میں لکڑی کے بیس عالی شان قبے تیار کرواتا تھا اور ہر قبے میں پانچ منزلیں ہوتیں۔ ماہِ صفر کے آغاز میں زیبائش وآرائش کے مہنگے ساز وسامان سے ان قبوں کو آراستہ کرکے ہر ایک منزل میں ایک ایک ٹولی راگ گانے والی، ٹپہ خیال، باجے والوں، کھیل تماشے اور رقص کرنے والوں کی بٹھائی جاتی۔ ہر روز عصر کے بعد اپنے وزیروں، مشیروں اور دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ قبہ قبہ، منزل منزل پھرتا، گانا سنتا اور ناچ دیکھتا اور خوشی میں خود بھی ناچتا۔ پھر اپنے قبے میں لہو ولعب، راگ رنگ میں مشغول رہتا، داد عیش دیتا، اور یوں محفل میلاد سے دو دن پہلے تمام آلات لہو ولعب، اور اپنی بےشمار گائے، بکریاں اور اونٹ لے کر کھلے میدان میں آجاتا اور ان کو ذبح کرادیتا اور ہر قسم کے پرتکلف کھانے پکوا کر ان بھانڈوں، ڈوموں، موسیقاروں اور دوسرے تمام تماش بینوں کی ضیافت کرتا اور میلاد کی رات عصر کی نماز پڑھ کر اپنے قلعے میں پھر سماع کی محفلیں منعقد کرواتا۔ اصل عبارت یہ ہے:

"يتقدم مظفر الدين ينصب قبابا من الخشب، في كل قبة أربع أو خمس طبقات، ويعمل مقدار عشرين قبة أو أكثر، وقبة منها له والباقي لأمرائه وأعيان دولته لكل واحد قبة، فإذا كان أول صفر زينوا تلك القباب بأنواع الزينة الفاخرة المتجعمة، وقعد في كل قبة جوق من الأغاني وجوق من أرباب الخيال ومن أصحاب الملاهي، ولم يتركوا طبقة من تلك الطباق حتى وقبوا فيها جوقا وتبطل معايش الناس في تلك المدة وما يبقى لهم شغل إلا التفرج والدوران عليهم، فكان مظفر الدين ينزل كل يوم بعد صلوة العصر ويقف على قبة قبة إلى آخرها ويسمع غنائهم وينفر حوا على خيالاتهم وما يفعلونه في القباب ويبيت في الخانكاه ويعمل السماع فيها ثم يرجع إلى القلعة قبل الظهر، فإذا قبل المولد بيومين أخرج من الإبل والبقر والغنم شيئًا كثيرا زائدا عن الوصف، رزقها بجميع ما عنده من الطبول والأغاني والملاهي حتى يأتي بها إلى الميدان ثم يشرعون في نحرها وينصبون القدور ويطبخون الألوان المختلفة، فإذا كانت ليلة المولد عمل السماعات بعدأن صلى المغرب في القلعة ثم ينزل وبين يديه من الشموع المعلقة شيء كثير." (ابن خلكان: ۳/ ۲۷۴)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ③

مسئلہ ایصالِ ثواب کا تحقیقی جائزہ

ایصالِ ثواب کی جائز اور ناجائز صورتیں

حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف، دارالسلام، لاہور

⑥ میت کی طرف سے حج کرنا:

دوسری چیز، جس کا ذکر حدیث میں ہے، میت کی طرف سے حج کرنا ہے، یعنی صاحب استطاعت ہونے اور حج کی نیت رکھنے کے باوجود اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہیں کرسکا اور فوت ہوگیا یا اس نے حج کی نذر مانی تھی لیکن اس نے ابھی نذر پوری نہیں کی تھی کہ اس کا وقت آخر آگیا، ان دونوں صورتوں میں میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسے اللہ کا ایسا حق قرار دیا ہے جس کا قرض کی طرح ادا کرنا ضروری ہے:

ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن حج کرنے سے پہلے فوت ہوگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اس کی طرف سے حج کر۔ بھلا یہ بتلا اگر تیری ماں پر قرض کا بوجھ ہوتا تو کیا تُو اسے ادا کرتی؟ (اسی طرح) اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔''

(فتح الباري: ٤/ ٨٤)

اسی طرح حدیث میں اس شخص کی طرف سے بھی حج کرنے کا حکم ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود زیادہ بڑھاپے یا کسی اور عذر کی وجہ سے خود حج کرنے پر قادر نہ ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فوت ہوجائے اور اس کے ذمے حج کرنا ہو تو اس کے وارث پر واجب ہے کہ اس کے مال میں سے اس کی طرف سے حج کا انتظام کرے، جیسے اس کے ذمے قرض ہو تو اسے ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ آدمی کا قرض اس کے اصل مال سے ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح اور بھی حقوق جو قضا کے اعتبار سے اس کے مشابہ ہیں (ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے) اور حج کے ساتھ ہر وہ حق بھی اس حکم میں شامل ہوگا جو مرنے والے کے ذمے ہو، جیسے کوئی کفارہ یا نذر یا زکاۃ وغیرہ۔'' (فتح الباري: ٤/ ٨٥)

حج ایسی عبادت ہے جو بدنی کے ساتھ ساتھ مالی عبادت بھی ہے، اسی طرح کفارہ اور زکاۃ وغیرہ بھی حافظ ابن حجر کے نزدیک اسی قبیل سے ہے، یعنی کفارہ یا زکاۃ اگر میت کے ذمے ہوں تو ان کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ حافظ صاحب کے نزدیک یہ قرض کے مشابہ ہیں، تاہم ان کے علاوہ کسی اور عبادت کا میت کی طرف سے کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لیکن حافظ ابن القیم کا جو اقتباس پہلے گزرا ہے، اس کی رُو سے اگر زکاۃ یا حج کی ادائیگی میں مرنے والے کی مجرمانہ غفلت کا دخل ہوگا تو اس صورت میں ورثاء کی طرف سے ان کی ادائیگی سے عنداللہ میت کا بریء الذمہ ہونا مشکل ہے۔ احادیث میں جو واقعات منقول ہیں ان کا تعلق ایسی صورتوں سے ہے جن میں مرنے والا حج کی ادائیگی کی نیت رکھتا تھا لیکن وہ زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے سفر کی طاقت نہیں رکھتا تھا یا اس نے نذر مانی اور اسے نذر پوری کرنے کی مہلت نہیں ملی، ان صورتوں میں بلاشبہ ورثاء کا ان کی طرف سے حج کرنا صحیح ہے۔

امام مالک کی رائے:

اسی لیے امام مالک کا قول ہے:

"إنما يحج عنه إذا أوصى ، أما إذا لم يوص فلا يحج عنه ، لأن الحج عبادة غلب فيه جانب البدنية فلا يقبل النيابة ، و إذا أوصى حج من الثلث ." (فقه النسة : ۲/ ۱۸۸، مرار الفاتح، قاهره : ۱۹۹۸ء)

''مرنے والے کی طرف سے اس صورت میں حج کیا جائے جب اس نے وصیت کی ہو۔لیکن اگر اس نے وصیت نہیں کی تو پھر اس کی طرف سے حج نہ کیا جائے، اس لیے کہ حج ایسی عبادت ہے جس میں بدنیت (بدنی عبادت ہونے) کا پہلو غالب ہے، اس لیے اس میں نیابت قابل قبول نہیں۔ اور وصیت کرنے کی صورت میں حج کیا جائے تو اس کے ثلث (ایک تہائی کی مال) سے حج کیا جائے۔''

میت کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اقتباس میں زکاۃ کی ادائیگی کا بھی ذکر ہے جب کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کے اقتباس میں اس کی نفی ہے۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ بظاہر امام ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ احادیث میں میت کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی کا کہیں ذکر نہیں آتا، اسی طرح کفارے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے ہمارا رجحان اسی طرف ہے کہ اگر مرنے والا یہ وصیت کر جائے کہ اس کے ذمے اتنے سال کی زکاۃ ہے یا فلاں کفارہ ہے، اسے ادا کر دیا جائے تو شاید اس کی طرف سے یہ ادائیگی عند اللہ مقبول ہو جائے، بصورت دیگر از خود ورثاء کی طرف سے اس کی ادائیگی سے مرنے والے کا بریء الذمہ ہونا مشکل ہے کیونکہ یہ اس کی کوتاہی ہے جس کا احساس بھی اس کو مرنے تک نہیں ہوا تو ورثاء کی ادائیگی سے وہ عند اللہ کس طرح بریء الذمہ ہوسکتا ہے؟ یہ تو قرآنی آیت: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ کے منافی ہے۔

اسی طرح حج بھی، جس کا ذکر احادیث میں ہے، اسی صورت میں میت کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہوگا جب وہ اس کا پختہ ارادہ رکھتا ہو لیکن کسی معقول عذر کی وجہ سے نہ کر سکا تو جس طرح زندگی میں معقول عذر کی وجہ سے حج بدل کی اجازت ہے، مرنے کے بعد بھی اس کی طرف سے حج بدل جائز ہوگا یا وصیت کی صورت میں شاید جائز ہوگا۔ لیکن جس نے اس حد تک کوتاہی کا ارتکاب کیا کہ قدرت رکھنے کے باوجود بھی اس نے اس فریضے کی ادائیگی کا سوچا تک نہیں حتی کہ مر گیا، اب اس کی طرف سے حج کی ادائیگی اس کو اس کی کوتاہی کے جرم سے کس طرح بچا سکے گی؟

روزے اور حج کی بابت مذکورہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کے ذمے یہ فرائض رہ گئے ہوں، یعنی وہ اپنی زندگی میں کسی معقول وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو۔ روزے (نذر یا بقول بعض علماء رمضان کے) رہ گئے، صحت مند یا قادر ہونے کے باوجود اس نے نہیں رکھے تو ان کا ادا کرنا ورثاء کے لیے ضروری ہوگا۔ اس سے ایک تو یہ اصول معلوم ہوا کہ میت کے ذمے کوئی ایسا فرض رہ جائے جس کا مکلّف اس نے اپنے آپ کو خود ٹھہرایا تھا تو وہ اللہ کا ایک قرض ہے جس کی ادائیگی کا اہتمام (دوسرے قرضوں کی طرح) کیا جانا چاہیے، چنانچہ حافظ ابن حزم نے اسی بنیاد پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی، لیکن وہ یہ نذر پوری کرنے سے قبل ہی فوت ہوگیا تو اس کی طرف سے اس نذر کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔

(المحلّٰی، کتاب الاعتکاف، رقم المسئلة : ٦٣٥)

بلکہ ہر نذر طاعت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ (حوالۂ مذکور)

اسی طرح امام ابن حزم کے نزدیک اگر کسی شخص کی نماز بھول جانے یا نیند کی وجہ سے رہ گئی اور وہ اسے نہیں پڑھ سکا اور اسے موت آگئی تو یہ نماز بھی اس کے ذمے اللہ کا قرض ہے جس کی ادائیگی کے ورثاء مکلّف ہیں۔ (المحلّٰی، کتاب الصیام، رقم المسئلة : ٧٧٥)

تاہم نیابت کے مذکورہ اصول کی رُو سے ورثاء کی یہ ذمے داری نہیں، البتہ کفارہ اور مالی واجبات (زکاۃ وغیرہ) کی ادائیگی کی وصیت

اگر موجود ہو تو اس کی طرف سے ادائیگی سے ممکن ہے کہ میت کی کوتاہی کی تلافی ہوجائے، تاہم یہ بات یقینی نہیں ہے کیونکہ ان کی بابت کوئی نص ہمارے علم میں نہیں۔ واللہ أعلم

دوسرا اصول یہ معلوم ہوا کہ جس کے ذمے شرعاً کوئی حق واجب نہ ہو تو ورثاء اس کی ادائیگی کے ذمے دار نہیں ہیں، جیسے ایک شخص غربت میں فوت ہوگیا، اس پر حج فرض ہی نہیں ہوا تو اس کے ورثاء صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اس کی طرف سے حج کرنے کے مکلّف نہیں ہیں، تاہم اِیصالِ ثواب کی غرض سے حج کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس کی گنجائش سنن ابوداود کی ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے۔

۷۔ میت کی طرف سے قربانی کرنا:

میت کی طرف سے اِیصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا کیسا ہے، اس میں علماء کی دو رائے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ بھی چونکہ صدقے کی ایک صورت ہے، اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثبوت موجود ہے، اس لیے یہ جائز ہے۔ اسی لیے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا سارا گوشت غرباء و مساکین ہی میں تقسیم کیا جائے اور اس میں سے کوئی حصہ اپنے لیے نہ رکھے، جیسے قربانی کے گوشت میں ہوتا ہے کہ انسان کچھ اپنے لیے رکھ لیتا ہے اور کچھ رشتے داروں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

اور دوسری رائے یہ ہے کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرنے کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ وہ روایت بھی سنداً ثابت نہیں ہے جس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک اپنی طرف سے اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی طرف سے۔ البتہ خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جو قربانی کی وہ آپ ﷺ نے اپنی اور اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے کی جو قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے، اور بعض روایات میں دو جانور قربان کرنے کا ذکر ہے، ایک اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے غیر مستطیع لوگوں کی طرف سے۔

لیکن علماء کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ نبی ﷺ کا یہ فعل آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے جس میں امت کے لیے آپ ﷺ کی اقتدا جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ اسی بات کے قائل ہیں، محدث عصر شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''احادیث میں جو آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے قربانی کی جو قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے تھے تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۵۱۴/۹) میں اہل علم سے نقل کیا ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نبی ﷺ کی اقتدا میں امت کی طرف سے قربانی کرے۔ زیادہ لائق بات یہی ہے کہ اس قربانی پر دوسری عبادات کا قیاس نہ کیا جائے، جیسے نماز، روزہ، تلاوت اور اس جیسی دیگر طاعات کیونکہ نبی ﷺ سے اس کی بابت کوئی چیز منقول نہیں، پس کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی کسی اور کی طرف سے روزہ رکھے، نہ کوئی کسی دوسرے شخص کی طرف سے قرآن پڑھے، اور اس کی اصل قرآن کی یہ آیت ہے کہ ''انسان کو اسی کی جزا ملے گی جس کی اس نے کوشش کی ہوگی'' تاہم اس اصل سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جن کی بابت نص میں صراحت آگئی ہے۔'' (إرواء الغليل: ٤ / ٣٥٤)

اعتذار

رواں جلد کے شمارہ نمبر (۴) (ص:۱۶، کالم نمبر:۲، سطر نمبر: ۹، ۱۰) میں شامل اشاعت مضمون بعنوان ''مسئلہ ایصال ثواب کا تحقیقی جائزہ'' میں آیت کا ترجمہ مذکور آیت سے مناسبت نہیں رکھتا۔ موزوں آیت درج ذیل ہے: ﴿وما هو على الغيب بضنين﴾ [التكوير: ٢٤] قارئین تصحیح فرمالیں۔

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲ آخری

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں

لفظی ومعنوی تحریف کی ناکام کوشش

مولانا عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ

علم نحو کی روشنی میں اس تحریف کی وضاحت:

علم نحو جاننے والے حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ عربی گرائمر میں اضافت کے بارے میں ایک مستقل بحث ہوتی ہے، اس کی تعریف اور مختلف اعتبار سے تقسیم ہوتی ہے اور پھر اضافت معنوی کی تین قسمیں بیان کی جاتیں ہیں:

(۱) اضافتِ لامیّہ۔ (۲) اضافتِ بیانیہ۔ (۳) اضافت ظرفیہ۔

اگر مضاف، مضاف الیہ کی جنس سے ہوتو اسے اضافت بیانیہ کہا جاتا ہے، جیسے: ''خاتم فضة'' ''چاندی کی انگوٹھی۔'' اس مثال میں چاندی انگوٹھی کی جنس سے ہے۔

اگر مضاف الیہ، مضاف کی ظرف ہوتو اسے اضافتِ ظرفیہ کہا جاتا ہے، جیسے: ''صلوة الليل'' ''رات کی نماز۔'' یعنی ''الليل'' (رات) نماز پڑھنے کی ظرف زمان ہے۔ اسی طرح قرآن میں وارد ہے:

﴿بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ [سبأ: ۳۳]

اس سے مراد ''المكر في الليل والنهار'' ہی ہے۔

اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اضافت نہ ہوتو اسے اضافت لامیہ کہا جاتا ہے، جیسے: ''كتاب خالد'' ''خالد کی کتاب۔'' اس مثال میں خالد نہ کتاب کی جنس سے ہے اور نہ ہی اسکی ظرفِ زمان و مکان ہے۔ ایسی صورت میں عموماً ''لام'' مقدر ہوتا ہے، یعنی جملہ یوں ہوگا: ''كتاب لخالد''

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح ابن عقيل: ۳/ ۴۲، ۴۳۔ معارف النحو لعبد التوحيدي، ص: ۲۱۳.

''قبة أدم'' میں اضافت؟

صحیح مسلم کی پیش نظر حدیث میں واردشدہ الفاظ ''قبة أدم'' میں اضافت معنوی بیانی ہے کیونکہ اس میں ''خاتم فضة'' کی طرح مضاف الیہ ''أدم'' (چمڑا) مضاف ''قبة'' (خیمہ) کی جنس سے ہے۔ جیسے کوئی کہے: ''ثوب حرير'' ''ریشم کا لباس۔'' جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ہے: ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ﴾ [الدهر: ۲۱] پس کپڑے اور ریشم ہم جنس ہیں۔

اسی طرح ''أدم'' (چمڑا) اور ''قبة'' (خیمہ) ہم جنس ہیں، یعنی خیمے کا مادہ (جس سے خیمہ بنایا گیا ہے) چمڑا ہے جیسا کہ انگوٹھی کا مادہ چاندی اور کپڑے کا مادہ ریشم ہے۔ اور ان سب میں ''مــن'' مقدر (پوشیدہ) ہے، یعنی درحقیقت جملے اس طرح ہوں گے: ''خاتم من فضة۔ ثياب من سندس۔ ثوب من حرير.''

اب ہم اس کی دلیل بھی احادیث ہی سے مہیا کرتے ہیں کہ اس جگہ ''قبة أدم'' میں اضافت بیانی ہے، نہ کہ لامی اور ظرفی، اور اس میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان میں ''من'' پوشیدہ ہے، چنانچہ بہت سی احادیث میں لفظ ''من'' بالصریح بھی ذکر ہوا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں انصار صحابہ کے بارے مذکور ہے:

''فجمعهم في قبة من أدم.'' (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۳۱۴۷)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چمڑے کے ایک قبے (یعنی خیمے) میں جمع کیا۔''

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"رأيت رسول الله ﷺ في قبة حمراء من أدم." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٣٧٦)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ قبے (یعنی خیمے) میں دیکھا۔''

حدیث میں لفظی ومعنوی تحریف:

اب قارئین کاظمی ضیائی صاحب کی حدیث نبوی میں تحریف وتبدیلی بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ انھوں نے اس حدیث میں لفظی تحریف بھی کی ہے اور معنوی تحریف بھی کی ہے۔

لفظی تحریف تو یہ ہے کہ انھوں نے لفظ "أدم" بروزن "فرس" کو تبدیل کرکے "آدم" بروزن "عالم" بنادیا ہے۔

اور معنوی تحریف یہ کی ہے:

اوّلاً: "أدم" سے حضرت آدم علیہ السلام مراد لیے ہیں اور ترجمہ بھی آدم علیہ السلام ہی کیا ہے۔

ثانیاً: "قُبّۃ" سے قبر پر بنایا گیا گنبد ومزار مراد لیا ہے۔

اس طرح انھوں نے قبروں پر جو قبے بنائے جاتے ہیں ان کے جواز کے لیے تحریف وتبدیل کردہ یہ حدیث بطورِ دلیل پیش کی ہے۔

یعنی حدیث کا لفظ بھی بدلا اور ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ اسی طرح "قبہ أدم" میں جو اضافت بیانیہ تھی اسے تبدیل کرکے اضافت لامیہ بنادی، یعنی "قبة من أدم" کو بدل کر "قبة لآدم" بنادیا ہے۔

حالانکہ پیش نظر صحیح مسلم کی حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اضافت بیانیہ ہے، چنانچہ بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

"بينما رسول الله ﷺ مضيف ظهره إلى قبة من أدم يمان." (صحيح بخاری، رقم الحديث: ٦٦٤٢)

یعنی ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ یمنی چمڑے کے خیمے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا۔''

اب قارئین دیکھ ہی رہے ہیں کہ اس حدیث میں کتنے صاف الفاظ ہیں، یعنی "قبة من ادم یمان "''یمنی چمڑے سے بنایا گیا قبہ (یعنی خیمہ)۔''

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر:

پھر آپ حضرات ایک اور طرح سے بھی سوچیں کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کی وفات مدینے میں ہوئی تھی؟ اور کیا ان کا قبہ مسجد نبوی میں تعمیر ہوا تھا؟ اور وہ مسجد نبوی کے کس کونے میں تھا؟ یا پھر مدینہ منورہ میں تھا؟ اور کہاں تھا؟

اہل تحریف دراصل درباروں اور مزاروں کا جواز ثابت کرنے اور انھیں اسلام کا حصہ قرار دینے کے لیے سرتوڑ کوشش کرچکے ہیں، حدیث نبوی میں تحریف وتبدیلی ان کا آخری حربہ تھا جو انھوں نے کردکھایا ہے۔ یہودیوں کی بھی یہی عادت تھی کہ وہ اپنے خود ساختہ فاسد نظریات کو ثابت کرنے اور انھیں شریعت کا حصہ قرار دینے کے لیے تورات میں تحریف کردیتے تھے، جیسا کہ قرآنِ حکیم اس پر شاہد عدل ہے اور اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب الفوز الکبیر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس کے متعلق ان کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے جو دارالسلام سے طبع شدہ ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے الفوز الکبیر میں یہودیوں کی گمراہیوں میں ایک گمراہی یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ تورات کے احکام میں لفظی یا معنوی تحریف کردیتے تھے۔ وہ تورات کی آیات کے ساتھ ان چیزوں کا بھی اضافہ کردیا کرتے تھے جو درحقیقت آیات کا حصہ نہیں ہوتی تھیں۔ وہ تورات کی آیات کا کتمان کیا کرتے تھے۔ تورات کے احکامات کا نفاذ نہیں کرتے تھے۔ اپنے مذہب کی نہایت بے جا حمایت کرتے تھے۔

(الفوز الكبير في أصول التفسير، تعریب پالنپوری حنفی دیوبندی، ص: ٢٦، ٢٧)

فائدہ: ''الفوز الکبیر'' کی شرح ''الخیر الکثیر'' کے صفحہ (۱۳۵) میں ہے:

''قرآنی وحدیثی تحریف لفظی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یا حدیث کے کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا، کسی لفظ کو

بڑھا دینا، کسی لفظ کو کم کر دینا۔"

اسی طرح تحریف معنوی کا مطلب یہ ہے:

"قرآن وحدیث کے کسی لفظ کا ترجمہ یا تشریح اس طرح کرنا جو کہ شارع کی مراد کے خلاف ہو۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

"اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علمائے سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب ہیں اور اپنے بڑوں کی تقلید کے گرویدہ ہیں، اور کتاب وسنت کی نصوص (یعنی صریح آیتوں اور حدیثوں) سے اعراض کرتے ہیں اور کسی عالم کے تعمق وتشدد اور اس کے استحسان کو دلیل بناتے ہیں، چنانچہ انھوں نے معصوم شارع (نبی ﷺ) کے کلام سے اعراض کیا ہے، اور موضوع (خود ساختہ) حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا اُسوہ (نمونہ) بنایا ہے، تو تم ان لوگوں کو دیکھو گویا یہ وہی (یہودی) ہیں۔" (الفوز الکبیر، ص: ۳۰-۳۲)

فقہ حنفی اور مزار وغیرہ بنانا:

میں کہتا ہوں کہ ان اہل تحریف کی یہ تحریف قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے امام، یعنی امام ابوحنیفہ کے مذہب کے بھی خلاف ہے جو کہ فقہ حنفی کی اکثر کتب میں مذکور ہے، چنانچہ حنفیوں کے بڑے مفتی علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

"عن أبي حنيفة يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك لما روي جابر نهي رسول الله ﷺ...... إلخ." (شامي مطبوعه مصر: ۱/ ۶۲۷)

یعنی "امام ابوحنیفہ قبر پر کسی قسم کا مکان اور قبّہ بنانا مکروہ جانتے تھے کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونے سے پختہ بنانے اور ان پر کچھ لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

اور ان کی یہ تحریف امام شافعی رحمہ اللہ کی صراحت کے بھی خلاف ہے، چنانچہ شارح صحیح مسلم امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأمّ" میں کہا ہے:

"رأيت بمكة يأمرون بهدم مايبنى." (شرح صحيح مسلم: ۱/ ۳۱۲ درسی نسخہ)

یعنی میں نے مکہ میں دیکھا ہے کہ قبروں پر جو کچھ بنایا جاتا تھا حکام اس کے گرانے کا حکم دیتے تھے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ علمائے حدیث: ۱۲/۱۷-۲۷)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "حسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة" میں مصر میں قبروں پر تعمیرات وقبّے وغیرہ منہدم کرنے پر ملک ظاہر بیبرس کے دور کے محققین علماء کا اتفاق ذکر کیا ہے۔ ملک ظاہر نے اس وقت کے فقہاء (مثلاً: فقیہ علامہ ظہیر تزمنتی اور شیخ بہاء الدین بن الجُمیزی اور ان جیسے علمائے وقت) سے اس کا فتویٰ طلب کیا تھا تو ان سب نے خطوط لکھے اور ایک زبان ہو کر اتفاق کیا کہ حکمران پر ضروری ہے کہ ان سب کو ڈھا دے اور بنوانے والوں کو مکلّف کرے کہ اس کا ملبہ کیمان میں پھینک آئیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ امام شافعی کی قبر پر بنا ہوا قبّہ بھی مصر ہی میں ہے۔ (۱/۱۴۱)

شارح صحیح بخاری بدر الدین عینی حنفی نے بھی قبر پر خیمہ بنانا مکروہ کہا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

"رأي ابن عمر فسطاطا علي قبر عبد الرحمن فقال: أنزعه يا غلام! فإنما يظله عمله."

(كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر)

"عبداللہ بن عمر نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر پر ایک خیمہ دیکھا تو انھوں نے (ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے) غلام سے کہا: اے غلام! اس خیمے کو اتار لو۔ اس کے نیک عمل ہی اسے سایہ کریں گے۔"

علامہ عینی حنفی اس اثر کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فدل هذا على أن نصب الخيام على القبر مكروه ولا ينفع الميت ذلك."

(عمدة القاري: ۸/۱۸۳)

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں اس بات کی دلیل ہے کہ قبر پر خیمے نصب کرنا مکروہ ہے اور اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے:

"لا تجعلوا على قبري بناء."

(مسند أحمد، رقم الحديث: ۹۴۳۹)

''میری قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی:

"لا تضربوا علي فسطاطا."

(مصنف ابن أبي شيبة: ۳/ ۲۱۶)

''میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔''

تابعی کبیر سعید بن میسّب رحمہ اللہ نے مرض الموت میں وصیت کرتے ہوئے کہا:

"إذا مامت فلا يضربوا على قبري فسطاطا."

(طبقات ابن سعد: ۵/ ۱۴۲)

''جب میں وفات پا جاؤں تو میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔''

تابعی کبیر محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"هذه الفساطيط التي على القبور محدثة."

(مصنف ابن أبي شيبة: ۳/ ۲۱۷)

''یہ خیمے، جو قبروں پر بنائے جاتے ہیں، بدعت ہیں۔''

دوغلی پالیسی:

پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایک طرف فی زمانہ قبروں پر بنے قُبّے گرانے کو مذموم حرکت قرار دیتے ہیں اور انھیں گرانے کے جواز کا فتوی دینے والوں کو انتہائی برے القابات سے نوازتے ہیں اور دوسری طرف قبروں پر قبّے بنانے کو کبیرہ گناہ اور قُبّے گرانے کو واجب سمجھنے والے احمد بن حجر مکی شافعی صوفی (متوفی: ۹۷۴ھ) کو حنیف قریشی صاحب بلند القاب سے ملقب کرتے ہوئے انھیں محدث کبیر، امام اور علامہ وغیرہ کہتے ہوئے رحمہ اللہ کی دعا بھی دے رہے ہیں۔

(دیکھیے گستاخ کون؟، ص: ۲۶۹، ۴۷۶)

حالانکہ ابن حجر مکی نے قبوں کو منہدم کرنے کا فتوی اپنی مشہور کتاب ''الزواجر'' میں نقل کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، ملاحظہ فرمائیے:

"وتحب المبادرة لهدمها وهدم القباب التي علي القبور إذ هي أضر من مسجد الضرار لأنها أسست على معصية رسول الله ﷺ لأنه نهى عن ذلك وأمر بهدم القبور المشرفة وتجب إزالة كل قنديل وسراج على قبر ولا يصح وقفه ونذره."

(الزواجر عن اقتراب الكبائر: ۱/ ۱۴۹)

یعنی اونچی قبریں اور قبے گرانے کی طرف جلدی کرنا واجب ہے کیونکہ یہ چیزیں مسجد ضرار (جو منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی خاطر بنائی تھی جس کا ذکر سورۃ توبہ آیت نمبر (۱۰۷) میں ہے) سے زیادہ نقصان دہ ہیں کیونکہ ان (اونچی قبروں اور قبوں) کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اونچی قبروں کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ اور ہر قندیل اور چراغ جو قبروں پر جلایا جاتا ہے اس کو ختم کرنا واجب ہے اور یہ قبروں پر وقف کرنا یا اس کی نذر (منت) ماننا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حجر مکی صوفی شافعی کا نقل کردہ مذکورہ بالا فتویٰ بعینہٖ صاحب تفسیر روح المعانی محمود احمد آلوسی حنفی نے بھی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں نقل کیا ہے بلکہ اس کی تائید میں مزید بھی لکھا ہے حتی کہ مصر میں امام شافعی وغیرہ کی قبروں پر جو قبّے بنائے گئے ہیں ان کے بارے لکھا ہے کہ اگر فتنے کا ڈر نہ ہوتو انھیں بھی گرا دیا جائے۔

(روح المعاني: ۱۵/ ۲۳۸، ۲۳۹)

لیکن صد افسوس کہ یہ لوگ پاک وہند کے علمائے حدیث کو وہابی، ظالم اور خبیث جیسے برے القابات سے ملقب کرنے پر تلے بیٹھے

ہیں۔ (دیکھیے گستاخ کون،ص:۱۵۸، ۱۵۹)

شاید اس وجہ سے کہ ان علماء حدیث کی رائے مبنی بر قرآن وحدیث اور عین منشائے رسول ﷺ ہے اوران نام نہاد مفتیوں کو یہ بات کسی صورت بھی گوارا نہیں کہ ان کے گمراہ کن آراء کے مقابلے میں یہاں قرآن وحدیث کا چلن ہو، ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾

مولانا محمد حنیف یزدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فی زمانہ جو لوگ قبروں کو پختہ بناتے ہیں اور ان پر عالی شان گنبد کھڑا کرتے ہیں وہ در اصل ایک دکان کی بنیاد رکھتے ہیں ،قبر کی تجارت کرتے ہیں ،مقبور (میت) کو ساری عمر بیچ بیچ کر کھاتے ہیں۔ کچی قبر آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتی ،وہ عام قبروں میں مل جاتی ہے،جب مرید آئیں گے تو قبرستان کی تمام قبروں میں سے کس طرح پہچانیں گے کہ ان کا ''مشکل کشا'' کہاں لیٹا ہوا ہے؟ مرادیں مانگنے والوں کو تو پیر کا روضہ دس پندرہ کوس دور سے ہی نظر آنا چاہیے، اسٹیشن پر اترتے ہی گنبد دکھائی دینا چاہئے،سورج کی شعاعیں رنگین کلس سے ٹکرا کر زائرین کی آنکھوں میں اتر آنی چاہئیں۔ ایسے مزار پر روز کے روز چڑھاوے چڑھیں گے ،جمعرات کی جمعرات نذروں کے انبار لگیں گے، سال میں بہت سے تہوار بھی نیازوں کا پیش خیمہ بنیں گے اورعرس کے موقع پر تو وہ ریل پیل ہوگی کہ مدّتوں نسلیں رنگ رلیاں منائیں گی۔ یہ فائدے گنبد اور قبے والی پختہ قبر کے ہی ہو سکتے ہیں،

حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جن کو آتا نہیں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نیکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

(دیکھیے زیارتِ قبور کا شرعی طریقہ،ص:۲۳، ۲۴)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر آپ مشرکین کے حال ،عقائد اور اعمال کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے زمانے کے پیشہ ور لوگوں کے احوال دیکھ لو، بالخصوص وہ جو ہندوستان کے اطراف وجوانب میں رہائش پذیر ہیں، وہ قبروں اور آستانوں کی طرف جاتے ہیں اورطرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں......الخ۔''

(الفوز الکبیر ،ص: ۲۳، ۲٤)

بدعات ورسوم

سیرت رسول ﷺ کا تقاضا اور

محافل میلاد کا انعقاد

ابوالمرجان انس مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی

سیرت النبی ﷺ گلشن سدا بہار ہے، جہاں گل ہائے رنگا رنگ ہر سو فضا کو معطر کیے ہوئے ہے۔ جہاں سے ایمان، اطاعت، امید، خوف، خدمت خلق، عدل وانصاف، حق وصداقت، ادب واحترام اور محبت واخوت کی کونپلیں کھلتی ہیں۔ خلوصِ دل سے اس کا رخ کرنے والے کبھی خائب وخاسر نہیں ہوئے۔ یہ تو گل چیں کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کس پھول کو چنے اور استفادہ کرے مگر جس پھول کو اس نے چھوڑا وہ اس سے کم نہیں تھا جس کو اس نے منتخب کیا۔

سیرت کے اس گلشن کا والی اللہ ربّ العزت ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے جو بھی نازل کیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ آسمانی تعلیمات کے عین مطابق ہے، اسی لیے صدیقہ کائنات سے جب رحمت دو عالم ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے سائل سے فرمایا:

"كان خلقه القرآن."

(سنن أبي داود، رقم الحديث: ۱۳۴۲)

''آنجناب ﷺ کا اخلاق قرآن ہی تھا۔''

قرآنِ مجید میں رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا اجمالی ذکر ہوا ہے جبکہ آپ ﷺ کے لیل ونہار کو محدثین کرام اور اہل سیر وتاریخ نے قلم بند کیا۔ محدثین کرام نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ امتیازی حیثیت کے حامل قانون وضع کیے، اور آنجناب ﷺ کی ایک ایک ادا، وصف اور حسن کی رعنائیوں کو قابل اعتماد طریقے سے ہم تک پہنچایا۔ یہ احادیث کا قابل قدر ذخیرہ، جس کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، اس چلتے پھرتے قرآن ہی کی منظر کشی تھی جسے اس انداز سے محفوظ کیا گیا کہ حیاتِ طیبہ کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں۔ یہ تو ہماری حرماں نصیبی ہے کہ ہم اپنے محبوب کی اداؤں کو اپنانا تو کجا، انھیں جاننا بھی نہیں چاہتے۔

اپنی اس بے رخی کا جائزہ لیں اور گلشن سیرت کے محافظین اور چمن رسالت کے پاسبانوں کے کردار پر بھی غور کریں کہ انھوں نے تو رسولِ رحمت ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں سفید بال تک گن رکھے تھے کہ وہ بیس سے کم تھے اور یہ بات نسل در نسل ہم تک پہنچائی۔ ان میں سے ایک بال سرخ تھا، اور انھیں اس کے سرخ ہونے کی وجہ بھی معلوم تھی کہ وہ خوشبو لگانے سے سرخ ہو گیا تھا۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۳۵۴۷)

رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت عین ایمان ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت، صورت وسیرت، اخلاق وکردار، اقوال وافعال، حیاتِ طیبہ اور زندگی کے ہر شعبے کے صحیح حالات وواقعات اور اسوۂ حسنہ بلا پابندیِ رسوم وقیود ہر وقت بیان کرنا موجب رحمت، کارِ ثواب، ذریعۂ نزول برکات اور سبب شفاعت ونجات ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے محامد ومناقب کا ذکر دل کا سرور، آنکھوں کا نور اور راحت جانِ مسلم ہے۔

محبت وعقیدت کا معیار:

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل کا محبوب بننے کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی سنتوں کی اتباع اور احادیث صحیحہ کی پیروی کرے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ

﴿وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡ﴾ [آلِ عمران : ۳۱]

''اے نبی ﷺ! کہہ دو: اگر تم اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری سنت سے عملی محبت کی اس نے میرے ساتھ سچی محبت کی اور جس نے مجھ سے عملاً سچی محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' (رواہ الترمذي)

تمام عبادات، خواہ مالی ہوں یا بدنی، نفلی ہوں یا فرضی، ہر کارِ ثواب امر کی وضاحت رسول اکرم ﷺ نے بیان فرما دی ہے اور امت کے لیے عملی نمونہ قائم کر کے اعلان فرما دیا:

''تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں جب تک اس کی تمام تر خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے مطابق نہ ہو جائیں۔'' (شرح السنة: ۱۰٤)

اصل اصول:

صحیح عبادت اور کارِ ثواب امر کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ میں اس امر کا پایا جانا اور موافق ہونا شرط ہے۔ اللہ ذوالجلال والاکرام صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو قرآن اور امام اعظم، سردار کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث کے مطابق ہو۔ ورنہ عمل بظاہر کتنا ہی اچھا ہو، کرنے والے کا مقصد کتنا ہی پاکیزہ ہو، ایسا عمل ناقابل قبول ہوگا، اس لیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے وہ عمل نہیں کیا، نہ کرنے کا حکم ہی دیا، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے (ہمارے اس دین میں) کوئی ایسا عمل کیا جو ہم نے نہیں کیا یا جس پر ہماری مہر ثبت نہیں تو وہ مردود (ناقابل قبول) ہے۔'' (سنن أبي داود، رقم الحديث: ۲۷۹)

بدعتی کے عمل برباد:

ہر وہ نیا کام جسے ثواب وعبادت سمجھ کر دین میں میں داخل کر لیا جائے جبکہ رسولِ اکرم ﷺ نے وہ کام نہ تو خود کیا ہو نہ صحابہ کرام کو کرنے کا حکم ہی دیا ہو، بدعت کہلاتا ہے، اور ایسے اعمال کو کرنے والے بدعتی کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ عزوجل بدعتی کا عمل قبول کرنے سے انکار کر چکا ہے تاوقتیکہ وہ بدعت کو چھوڑ نہ دے۔''

(رواه الطبراني بسند حسن)

میدانِ حشر میں رسولِ اکرم ﷺ کی امت ''حوض کوثر'' سے جام بھر بھر کر پانی پیے گی۔ ایک گروہ آگے بڑھے گا اور ان کے اور رسولِ اکرم ﷺ کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے: ''اے میرے پروردگار! یہ میرے امتی ہیں، (انھیں میرے پاس آنے دیا جائے)'' اللہ عزوجل فرمائے گا: آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے بعد انھوں نے کیسی کیسی بدعتیں جاری کیں اور (دین کے اندر) نئے نئے مسئلے نکالے۔ آنجناب ﷺ فرمائیں گے: ''دوری ہو، دوری ہو ان کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین (کے اصل حلیے) کو بدل دیا۔'' (متفق علیہ)

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''جو شخص اسلام میں نئی رسم نکالے اور اسے اچھا سمجھے تو اس نے یہ خیال کیا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے شریعت پہنچانے میں خیانت کی ہے جبکہ اللہ عزوجل فرما چکا ہے: ﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ﴾ [المائدة:۳] ''آج کے دن میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے۔''

لہٰذا جو چیز اس وقت دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی۔'' (كتاب الاعتصام للشاطبي)

مثلاً: پانچ نمازوں کے لیے اذان کہنا باعث اجر وثواب ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز جنازہ یا نماز حاجت یا نماز استسقاء یا نماز عیدین کے لیے اذان کہے تو یہ بدعت ہے ایسا کرنا ہرگز کارِ ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

تہوار کے طور پر منانے کے لیے اسلامی عیدیں صرف تین ہیں: (۱) عید الفطر۔ (۲) عید الاضحیٰ اور (۳) جمعۃ المبارک۔ ان تینوں

موقعوں کو خود اللہ ربّ العزت نے مسلمانوں کے لیے عید کا دن مقرر کیا ہے۔ اب جو شخص کوئی اور دن عید منانے کے لیے ایجاد کرتا ہے وہ یقیناً دین میں اضافے اور شریعت میں زیادتی کا مرتکب ہو کر بدعت کو جاری کرتا ہے۔ اور ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے اچھا سمجھیں اور کہیں کہ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟

آج دین میں نئی نئی باتوں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، جن سے لوگوں کے خیالات و افکار متاثر ہو رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خیالات دل و دماغ میں راسخ ہوتے جا رہے ہیں، جن پر بلاشبہ معروف وحسنات کا لبادہ ڈال دیا گیا ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں جنھیں ماہِ ربیع الاوّل میں سرانجام دیا جاتا ہے، جلسے جلوس اور محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ جنھیں میلاد النبی ﷺ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعض نے تو حد کر دی کہ وہ اس مہینے میں خاص طور پر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا بالقصد سفر کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کا تقرب حاصل کریں۔ یہ حضرات بڑے زعم وفریب میں مبتلا ہیں جبکہ ان کے پاس ان اقوال وافعال کی کوئی سند و دلیل نہیں۔

ربیع الاوّل کے اس مہینے یا اس کے بعض دنوں کو مجالس ومحافل کے لیے خصوصیت کے ساتھ منا لینا درج ذیل وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے:

۱: یہ دین میں ایک نئی ایجاد ہے، اس لیے کہ پیارے نبی محمد ﷺ اپنی پیدائش کے بعد ۶۳ برس اور خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے ۲۳ برس بعد تک اس دنیا میں زندہ رہے۔ ہر سال ماہِ ربیع الاوّل آیا لیکن کسی ایک سال بھی رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے میلاد کا جشن نہیں منایا نہ منانے کا حکم ہی دیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے سچے جانشین وجانثار خلفاء راشدین کا دورِ خلافت مبنی بر صداقت ۳۰ سال تک رہا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا دور ۱۱۰ ہجری تک رہا، پھر تابعین کرام کا، پھر ائمہ محدثین کا، لیکن کسی صحابی، تابعی، امام، مجتہد، فقیہ اور محدث نے ربیع الاوّل کے مروّجہ پروگرامز کا اہتمام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتابوں میں بھی مجلس میلاد النبی ﷺ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ کیا یہ تمام صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین محبت رسول ﷺ کے جذبۂ صادق سے سرشار نہ تھے؟ کیا انھیں اجر وثواب کی ضرورت نہ تھی؟

۲: اللہ ذوالجلال والاکرام نے دین کی تکمیل فرما دی ہے اور رسول اکرم ﷺ نے من وعن اللہ عزوجل کا پیغام واضح انداز میں لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب میلاد النبی ﷺ نام کی نئی ایجاد گویا اس بات کا اظہار ہے کہ اللہ کریم نے دین مکمل نہیں فرمایا اور رسولِ اکرم ﷺ نے دین کی تبلیغ میں کوتاہی برتی ہے، استغفر اللہ، تاآنکہ چھٹی صدی ہجری میں متاخرین اور ان کے بعد کچھ دوسرے لوگ پیدا ہوئے اور انھوں نے شریعت الٰہی میں اپنی طرف سے کچھ نئی چیزیں شامل کر لیں، حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے، نہ کوئی ثبوت اور نہ احکام الٰہی کو ان بدعات سے کوئی واسطہ ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ایسی محافل تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ کیا اللہ عزوجل کی شان میں بے باکانہ اعتراض کی یہ جرات لا حاصل اور تبلیغ رسالت محمدی ﷺ کی انتھک محنتوں کے آگے مجنونانہ گستاخی نہیں؟

۳: اس قسم کی مجالس ومحافل کا انعقاد جادۂ حق سے بغاوت کی علامت اور یہود ونصاریٰ کے اعیاد ومراسم کی نقل ہے، حالانکہ ہمیں یہود ونصاریٰ سے مشابہت اوران کے طریقوں سے روکا گیا ہے۔

۴: شریعت کے اصول وقواعد اور دین کے اغراض ومقاصد ان بدعات وخرافات کا قلع قمع کرتے ہیں، پھر جملہ اسلامی عبادات محض توقیفی ہیں، مطلب اللہ عزوجل کی طرف سے ہدایت، رہنمائی پر موقوف ہیں۔ اب کسی کو شریعت سازی کا حق نہیں۔ شریعت اور حق وہی ہے جو اللہ عزوجل اور رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے ملا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ [الشوریٰ: ۲۱]

”کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین سازی کی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔“

نیز شریعت کا یہ ثابت شدہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ متنازع فیہ مسائل میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے تو جب ہم اس کی بابت قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے خودساختہ اعمال سے تنبیہ فرمائی گئی ہے، نیز سد ذرائع اور ازالہ ضرر کا مسلمہ قاعدہ بھی اپنی جگہ پر اٹل ہے اور ضرر فی الدین سے بڑھ کر اور ضرر کیا ہوسکتا ہے؟

یہ معاملہ یہیں پر آ کر رک نہیں جاتا بلکہ ان محفلوں میں منکرات تک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کے ساتھ شرک سے بڑھ کر اور کوئی منکر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں رسولِ اکرم ﷺ سے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور ان سے حاجت روائی طلب کی جاتی ہے، مشکل کشائی کی دہائی دی جاتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں ایسے نعتیہ مدحیہ قصائد پیش کیے جاتے ہیں جن کے ڈانڈے شرک وغلو سے جا ملتے ہیں۔ ان میں اختلاط کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے، مال ودولت کا بے جا استعمال ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ ربیع الاوّل کے مہینے میں پیارے نبی محمد ﷺ کی وفات بھی ہوئی تو پھر حزن وملال کو بالائے طاق رکھ کر مسرت وشادمانی کے نغمے الاپنا کہاں سے افضل واعلیٰ قرار پا گیا؟

آیئے! رسولِ اکرم ﷺ احادیث مبارکہ پر سنجیدگی سے بار بار غور کیجیے:

۱: سیّدنا ابونجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک مرتبہ نہایت مؤثر وعظ ارشاد فرمایا جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو گویا الوداع کہنے والے کا وعظ ہے۔ پس آپ ﷺ ہمیں وصیت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
”میں تمھیں اللہ سے ڈرنے اور سمع واطاعت کی وصیت کرتا ہوں، پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا، اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، دین میں نئے نئے کام (بدعتیں) ایجاد کرنے سے بچو، اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (سنن أبي داود: ٤٦٠٠)

۲: رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:
”میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے اُن کے جو انکار کردیں۔“ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ فرمایا: ”جس نے میری (یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی) اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کردیا۔“ (رواہ البخاري)

۳: ”میں تمھیں ایسے روشن دین پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ اس سے وہی شخص گریز کرے گا جس نے ہلاک ہونا ہے۔“

(رواہ ابن أبي عاصم في كتاب السنة)

۴: ”میں تمھارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت (طریقہ)۔“

(مستدرك حاكم، رقم الحديث: ٣١٩)

۵: سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جب میں اسے کروں تو جنت میں داخل ہوجاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی عبادت کر، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ فرض نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کر، اور رمضان کے روزے رکھ۔“ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں کروں گا۔ جب وہ آدمی واپس جانے کے لیے مڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جنتی شخص دیکھنا ہو وہ اسے دیکھ لے۔“ (رواہ البخاري ومسلم)

۶: یہود ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں ایک فرقے کے علاوہ سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما أنا علیه و أصحابي.)) (سنن ترمذي)

یعنی جو اس راہ پر چلے گا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

دعوتِ غور وفکر:

۱: رسولِ اکرم ﷺ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے، لیکن قرآنِ مجید رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

۲: رسولِ اکرم ﷺ سوموار کو پیدا ہوئے لیکن فضیلت جمعۃ المبارک کو دی گئی۔

۳: رسولِ اکرم ﷺ مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے جبکہ سن ہجری مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے وقت سے شروع کیا گیا۔

۴: اللہ عزوجل نے حرمت کے چار مہینوں (محرم، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ) میں بھی ربیع الاوّل کا ذکر نہیں کیا، اللہ عزوجل عالم الغیب اور دلوں کے بھید جاننے والا ہے، اسے پتا تھا کہ رسول کی امت ربیع الاوّل کے مہینے میں کیا کرے گی۔

۵: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شجر رضوان اسی وجہ سے کٹوا دیا تھا کہ کہیں شرک وبدعت کا دروازہ نہ کھل جائے۔

۶: سیّدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت کا ذکر قرآنِ مجید میں مفصل مذکور ہے، سیّدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ قرآنِ مجید میں جا بجا ملتا ہے، ایسے ہی سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر بھی موجود ہے۔ باوجود یہ کہ یہ ولادتیں ہیں اور اعجازی صورتوں اور عجائبات الٰہی کا مظہر بھی ہیں مگر پھر رسولِ اکرم ﷺ نے گزشتہ کسی نبی کے تذکرہ میلاد کے لیے کسی خاص تاریخ میں کوئی اس قسم کی محفل ہرگز مقرر نہیں فرمائی، نہ جشن منایا، نہ جلوس نکالا، نہ قوالیاں کرائیں، نہ چراغاں کیا، نہ جھنڈیاں لگائیں، نہ محراب بنوایا، نہ لنگر پکائے، نہ کھانے کھائے، نہ کھانے کھلائے، سوچیے!

وہ معاملہ جو رسول اکرم ﷺ نے گزشتہ کسی نبی سے اس کی شان کے خلاف سمجھ کر اپنی تمام عمر میں نہ کیا ہو وہ معاملہ خود رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں کیونکر مناسب ہوسکتا ہے؟

اللہ ذوالجلال والاکرام کا فرمانِ ذی شان ہے:

﴿وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا﴾ [النساء: ۱۱۵]

''جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہوجانے کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں (صحابہ کرام) کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو، پھر ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بہت بری بازگشت ہے۔''

اللھم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.



فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۴۱ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ

ش۸۴ق قرۃ عیون الموحدین، مجلد: ۲، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور۔

۲۹۷ء۴۱ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن

ش۶۱ج جہنم سے آزادی کیسے؟ ص: ۲۷۔ محمدی ویلفیئر ٹرسٹ، پاک کالونی، کراچی۔

۲۹۷ء۴۱ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ

ش۸۴م مختصر ہدایۃ المستفید، ص: ۳۳۵۔ دائرہ نور القرآن۔

۲۹۷ء۴۱ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ

ش۸۴ہ ہدایۃ المستفید، مجلد: ۲، ص: ۱۴۲۹۔ مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ، پاکستان۔

۲۹۷ء۴۱ مولانا محمد صادق سیالکوٹی

ص۲۱م مسئلہ وسیلہ کی شرعی حیثیت، ص: ۴۷۔ ادارہ تبلیغ جمعیۃ اہل حدیث، جام پور، ضلع راجن پور، پاکستان۔

۲۹۷ء۴۱ نواب صدیق حسن خان حسینی بخاری

ص۵۳د دعایۃ الایمان الی توحید الرحمٰن، ص: ۳۰۴۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند۔

۲۹۷ء۴۱ علامہ شبلی نعمانی

ش۳۲۸ع علم الکلام، ص: ۲۱۸۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ۔

۲۹۷ء۴۱ عنایت اللہ طور

ط۸۱ت تقدیر وتدبیر، ص: ۱۱۱۔ اظہار القرآن، اردو بازار، لاہور۔

۲۹۷ء۴۱ علامہ ابوجعفر الوراق الطحاوی (مجموعہ ۲ کتب)

ط۵۷ع العقیدۃ الطحاویۃ، ص: ۴۲۔ مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ، ملتان روڈ، لاہور۔

۲۔ ثورۃ الاسلامیہ فی النورستان، ص: ۳۰۔ مجلس التحقیق الاسلامی، ۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

۲۹۷ء۴۱ عبدالرحمٰن عزیز الہ آبادی

ع۲۶۷ح حقیقۃ الوسیلۃ، ص: ۶۲۔ ادارہ امر بالمعروف، حسین خان والا، پتوکی، ضلع قصور۔

۲۹۷ء۴۱ محمد عطاء الرحمٰن المدنی

ع۸۰۲ع عقیدہ توحید، ص: ۲۸۔ سلفیہ مسلم ایجوکیشن اینڈ ریسرچ ٹرسٹ، جموں وکشمیر، سری نگر۔

۲۹۷ء۴۱ حافظ عبدالغفور، رئیس العام ریاسۃ العامۃ للبحوث العلمیہ، الریاض۔

ع۴۵پ پاکستان میں امامین حرمین کی آمد، ص: ۶۴۔ المکتب الثقاف السعودیہ، ظفر علی روڈ، لاہور۔

۲۹۷ء۴۱ مولوی محمد اشرف (مجموعہ ۵ کتب)

ع۸۵ب بکرا دیوی، ص: ۵۴۔ ناظم مدرسہ اہل حدیث، روپڑ، ضلع انبالہ۔

۲۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل، حافظ عبداللہ امرتسری، ص: ۷۰۔ ناظم مدرسہ اہل حدیث، روپڑ، ضلع انبالہ۔

۳۔ الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب، عبداللہ امرتسری، ص: ۳۲۰۔

۴۔ اغاثۃ الملہوف المسجون فی مصائد القادیانی المجنون،

مولانا عبدالاحد خانپوری، ص: ۴۷۔
۵۔ الذبّ عن المومنین فی اکل الضب للمسلمین، ابواسحاق ابراہیم، ۳۱ ثنائی برقی پریس، امرتسر۔
۲۹۷ء۴۱ حکیم میاں عبدالقادر فاضل دیوبند
ع ۴۷ت تنزیہ اللہ جل جلالہ، ص: ۸۔ ۴۷۔ کتب خانہ شانِ اسلام، راحت مارکیٹ، لاہور۔
۲۹۷ء۴۱ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی
ع ۶۳ا ایمان خالص (پہلی قسط)، گھر کے چراغ، ص: ۱۲۸۔ محمد حنیف، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی۔
۲۹۷ء۴۱ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی
ع ۶۳ت توحید خالص (پہلی قسط)، گھر کے چراغ، ص: ۱۲۸۔ توحید، روڈ کیماڑی، کراچی۔
۲۹۷ء۴۱ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین
ع ۶۳۵ع عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ، ص: ۷۔ ۹۔ الدعوۃ والارشاد، مکتبہ الدعوۃ، پاکستان۔
۲۹۷ء۴۱ مولوی عبدالستار صاحب کلانوری
ع ۲۷۲ح حقیقۃ التوسل والوسیلۃ، ص: ۴۰۔ سیّد عزیز حسن انڈین پریس، دہلی، مینگلو۔
۲۹۷ء۴۱ عبدالغفار شیخ
ع ۴۴ع علم الکلام اور الکلام، ص: ۶۰۔ نسیم بک ڈپو، شاہراہ قائد اعظم، حیدرآباد۔
۲۹۷ء۴۱ محمد عبدالسلام
ع ۳۸غ غلبہ اسلام، ص: ۵۸۔ مرکز تحقیق واشاعت ومسجد اتحاد المسلمین، مدینہ ٹاؤن، جنرل ہسپتال، لاہور۔
۲۹۷ء۴۱ عبدالباری سہسوانی (مجموعہ ۳ کتب)
ع ۲۵س سائق العباد الیٰ صحۃ الاعتقاد، ص: ۴۶۔ مطبع سعید المطابع
۲۔ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ فی مسئلۃ الاستواء والمباینۃ عبدالجبار بن عبد اللہ الغزنوی، ص: ۱۶۔ محمد الدین المعروف چٹو پٹولی، مطبع لاہور۔
۳۔ سبیل النجاۃ فی مباینۃ الرب عن المخلوقات، عبدالجبار غزنوی، ص: ۲۰۔ طبع سابقہ محمد الدین۔
۲۹۷ء۴۱ عبدالرؤف بن نعمت اللہ
ع ۳۷د دلائل ہستی باری تعالیٰ، ص: ۲۷۔ دفتر اخبار اہل حدیث امرت سر، پنجاب۔
۲۹۷ء۴۱ ابوسعید حکیم سیّد عبدالرحمٰن شاہ
ع ۳۴ا احکام القرآن، ص: ۱۱۲۔ ادارہ تبلیغ الاسلام، جام پور۔
۲۹۷ء۴۱ ڈاکٹر عبدالحفیظ
ع ۲۸ا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ص: ۵۔ ۷۔ مکتبۃ الدعوۃ السّلفیہ، میمن کالونی، حیدرآباد، سندھ۔
۲۹۷ء۴۱ عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی
ع ۱۵ر ربّ کائنات اور اس کی عبادت، ص: ۲۲۳۔ ۴۔ رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار، فیصل آباد۔
۲۹۷ء۴۱ پروفیسر حافظ عبدالستار حامد
ع ۲۷۲ب توحید اور شرک کی حقیقت، ص: ۱۲۰۔ حامد اکیڈمی، وزیر آباد۔
۲۹۷ء۴۱ مولوی عبدالحق حقانی (مجموعہ ۲ کتب)
ع ۲۸ع عقائد الاسلام، ص: ۲۵۶۔
۲۔ رجوم المدنین علی رؤس الشیاطین مع الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب۔ مولوی حسین احمد مدنی، ص: ۱۲۸۔
۲۹۷ء۴۱ عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی
ع ۱۴ا ارکانِ ایمان، ص: ۱۸۴۔ رحمانیہ دارالکتب، امین بازار، فیصل آباد۔
۲۹۷ء۴۱ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
ف ۲۱ح حضرت امام مجدد الف ثانی، نظریہ توحید، ص: ۱۳۱۔ مقبول اکیڈمی، چوک انارکلی بالمقابل المنار مارکیٹ، لاہور۔

۱۴۱ء ۲۹۷ محمد احسن فاروقی

ف ۲۱ ت تجلیات قرآن وحدیث، ص: ۱۱۲۔ اے وائی۔ ایف، ضلع راولپنڈی۔

۱۴۱ء ۲۹۷ مولانا اخلاق حسین قاسمی

ق ۱۴۳۱۳ ش شاہ اسماعیل شہید اوران کے ناقد، ص: ۲۲۴۔ ذوالنورین اکیڈمی، ضلع سرگودھا۔

۱۴۱ء ۲۹۷ مولانا محمد قاسم نانوتوی

ق ۳۰۱ ت تصفیۃ العقائد، ص: ۴۰۔ مطبع مجتبائی، دہلی۔

۱۴۱ء ۲۹۷ محمد اقبال کیلانی

ک ۹۰۴ ک کتاب التوحید، توحید کے مسائل، ص: ۱۵۱۔ حدیث پبلشرز، گوجرانوالہ، پاکستان۔

۱۴۱ء ۲۹۷ محمد سلطان (مجموعہ ۳ کتب)

م ۳۰ ت تذکیرۃ الاخوان، ص: ۲۴۰۔ شیخ فضل الٰہی محبوب الٰہی سوت والے، صدر بازار، دہلی۔

۲۔ تقویۃ الایمان۔ شاہ محمد اسماعیل شہید، ص: ۶۴۔

۳۔ صراطِ مستقیم المعروف سفر السعادۃ مجدد الدین، ص: ۱۸۴۔

۱۴۱ء ۲۹۷ محمد صدیق میمن

م ۹۶ و وسیلہ (قرآنِ مجید کی روشنی میں)، ص: ۱۶۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ، حسین آباد، کراچی۔

۱۴۱ء ۲۹۷ محمد اعظم، مدرس جامعہ اسلامیہ اہل حدیث، گوجرانوالہ۔

م ۳۱ ش شانِ مصطفیٰ اور عید میلاد النبی، ص: ۸۸۔ جامعہ مسجد رحمانیہ اہل حدیث، فاروق گنج، گوجرانوالہ۔

۱۴۱ء ۲۹۷ امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی

م ۶۹۵ ل لمعۃ الاعتقاد، ص: ۸۳۔ وزارت اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد بتعاون مؤسسۃ ابراہیم بن عبدالعزیز آل ابراہیم خیریۃ، سعودی عرب۔



سیرتِ رحمت عالمؐ

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے، سو بار ندامت ہوتی ہے

اے صلِّ علیٰ! ایک ایک ادا اللہ کی آیت ہوتی ہے
ہے روئے محمدؐ پیش نظر قرآں کی تلاوت ہوتی ہے

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بوجہل یوں ہی رہ جاتا ہے، بوذرؓ کو ہدایت ہوتی ہے

جو بات وہ فرما دیتے ہیں معیارِ صداقت ہوتی ہے
دستورِ عمل بن جاتی ہے اور دین میں حجت ہوتی ہے

طیبہ کے ببولوں کے کانٹے پھولوں سے بھی نازک تر نکلے
تلووں کو بھی لذت ملتی ہے، آسودہ طبیعت ہوتی ہے

(ماہر القادری)